# درس عقیدۃ الطحاوی

## شرح اردو

# عقیدۃ الطحاوی



تالیف

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب تاؤلوی استاذ دارالعلوم دیوبند

[illegible] تھانوی دیوبند

نام کتاب ــــــــ درس عقیدۃ الطحاوی
نام مصنف ــــــــ مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی
باہتمام ــــــــ وقار علی بن مختار علی
صفحات ــــــــ ۱۲۸
کتابت ــــــــ شمس الحسن ادروی اعظمی
سن طباعت ــــــــ عکسی ایڈیشن ۱۹۹۵ء
مطبوعہ ــــــــ تھانوی آفسیٹ پرنٹرس دیوبند

ناشر
مکتبہ تھانوی دیوبند
ضلع سہارنپور۔ یو، پی۔

# پیش لفظ

پیشِ نظر کتاب درس عقیدۃ الطحاوی ہے جس کو میں نے اختصار کے ساتھ امام طحاوی کے سادہ طرز پر تحریر کیا ہے، جس سے کتاب کا مطلب عام فہم انداز میں واضح ہو جائے۔ تاکہ یہ کتاب مطلق اہلِ اسلام عوام و خواص سب کے لیے باعثِ افادہ بن سکے۔ اس لیے فقیر نے دلائل و براہین سے تعرض نہ کرتے ہوئے صرف عقائد کو واضح طور پر بیان کیا اور اہلِ باطل کے عقائد کی نشاندہی کر دی۔ لیکن کچھ باتیں جو متن میں بیان کردہ عقیدہ کے سمجھنے میں مفید و معین ثابت

ہوں ان کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا۔ ومن شاء البسط و التفصیل فلیراجع الیٰ جواھر الفرائد شرح شرح العقائد

نیز ناظر شرح پر یہ بات بھی واضح رہے کہ اس شرح میں یہ طرز اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے ماتن کے متن کا مفہوم بیان کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت امام طحاوی کے متن کو پیش کیا گیا اور پھر اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

وَصَلَّى اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

حَرَّرَهٗ

العبد محمد یوسف غفرلہٗ تاؤلوی

خادم دارالعلوم دیو بند

یکم رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## پہلا سبق۔

# آغازِ کتاب

عزیزانِ گرامی، یہ کتاب جو آپ کے سامنے ہے اس کا نام بیان السنۃ ہے جو عقیدۃ الطحاوی کے نام سے مشہور ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اس کا پورا نام بیان عقائد اہل السنۃ والجماعۃ علی مذہب فقہاء الملۃ ہے" یہ کتاب علم عقائد میں ہے اب یہاں پانچ سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) عقائد کی تعریف (۲) موضوع (۳) غرض (۴) مقام (۵) اس کتاب کا مصنف کون؟

اب بطریق لف ونشر مرتب ان کے جوابات ملاحظہ ہوں۔ جواب۱ سوال اول شریعت کے کچھ احکام کے اندر تو عمل مطلوب ہوتا ہے تو ان کو احکام فرعیہ کہتے ہیں اور کچھ احکام ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں عمل مطلوب نہیں ہوتا بلکہ ان چیزوں کا دل میں مستحکم وراسخ ہونا مقصود ہوتا ہے ان کو احکام اصلیہ اور عقائد سے تعبیر کیا جاتا ہے بالفاظِ دیگر عقائد وہ علم ہے جس میں توحید باری اور صفات باری سے بحث ہو قال السید العقائد ما یقصد فیہ نفس الاعتقاد دون العمل" علم کلام اور عقائد میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ جواب۲ سوال دوم" توحید وصفات اور جملہ اعتقادیات"۔ جواب۳ سوال سوم" سعادت دارین" یا احکام اصلیہ میں غلطی کرنے سے حفاظت۔ جواب۴ سوال چہارم" جملہ اعمال کی بنیاد باطن کی صفائی پر ہے اور عقائد کی درستگی پہ ہے اس کے بغیر سارے اعمال ظاہرہ ضائع اور لغو ہیں لہٰذا اس کی تحصیل فرض ہے" ایمان

درحقیقت قلب میں اگنے والا ایک درخت ہے جس کی شاخیں بصورت اعمال ظاہر اعضا پر نمودار ہوتی ہیں شاخوں کا فقدان درخت کے فقدان کا سبب نہیں ہوتا مگر درخت کی جڑیں اگر اکھڑ جائیں تو درخت مع اپنے متعلقات کے ختم ہو جاتا ہے اسی طرح اگر دل میں شجرۂ ایمان کی جڑیں مستحکم ہیں تو اعمال بھی مقبول اور اعمال کا فقدان ایمان کے فقدان کا باعث نہیں ہوگا لیکن اگر شجرۂ ایمان سرے سے نہ ہو یا ہو مگر بدعات وغیرہ سے بصورت دیمک ایمان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے اور ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ یہ ایمان عدم کے درجہ میں ہو گیا تو اب سارے اعمال لغو و بیکار ہیں اور یہ اعمال ظاہرہ اپنے مرتکب کو مؤمن نہیں بنا سکتے۔ اس تفصیل سے عقائد کا مقام معلوم ہو گیا ہوگا۔

جواب سوال پنجم :۔ اس کتاب کے مصنف احمد بن محمد ابو جعفر طحاوی ہیں جو امام طحاوی کے نام سے مشہور ہیں۔ امام طحاوی کی ولادت بقول مشہور ۲۲۹ھ میں ہوئی اور وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی ۹۲ سال کی عمر ہوئی با لفاظ دیگر سن ولادت ۲۲۹ مصطفیٰ اور سن وفات محمد مصطفیٰ ۳۲۱ اور عمر شریف محمد ۹۲ ہے۔

آپ اونچے درجہ کے فقیہ اور محدث ہیں امام مزنی کے شاگرد اور بھانجے ہیں جو امام شافعی کے اجل تلامذہ میں سے ہیں ابتداءً شافعی تھے پھر آپ کا رجحان فقہ حنفی کی طرف ہو گیا جس کی مختلف وجوہات نقل کی جاتی ہیں۔ مگر ان میں سے کچھ من گھڑت اور بعض ضعیف ہیں اصلی وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے استاذ اور ماموں امام مزنی کو دیکھتے کہ پیچیدہ مسائل میں کتب حنفیہ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں آپ کا بھی کتب حنفیہ کی جانب میلان ہوا اور یہ فقہ دل کو بھا گیا، بعض مسائل مختلفہ میں ماموں سے تبادلہ خیال ہوا مگر دلائل حنفیہ کے مضبوط ہونے کی وجہ سے ماموں کے دلائل سے تشفی نہ ہو سکی بلکہ آپ کی پیاس فقہ حنفی سے بجھتی تھی اس کے بعد امام طحاوی

نے قاضی احمد بن ابی عمران سے باقاعدہ فقہ حنفی حاصل کرنا شروع کیا رد فیہ تفصیل)
بعض حضرات نے امام طحاوی کو مجتہدین کے طبقۂ ثالثہ میں شمار کیا ہے مگر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے امام طحاوی کو امام ابو یوسف اور امام محمد کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

امام طحاوی کی تصانیف بکثرت ہیں، ان کی ایک تصنیف شرح معانی الآثار ہے جو طحاوی کے نام سے مشہور ہے اور دورۂ حدیث کے ساتھ نصاب میں داخل ہے، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے علم حدیث میں ایک تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے دیگر کتب حدیث اس طرز سے خالی ہیں، ہر زمانہ کے علماء نے آپ کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا ہے اور بعض متعصبین نے جو تعصب کی نگاہ سے دیکھا ہے محققین نے ان کا تخطیہ کیا ہے حضرت امام طحاوی نے اس مختصر سی کتاب میں اہل سنت والجماعت کے عقائد علماء ثلاثہ یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے فقہ کے مطابق بیان کئے ہیں امام ابو حنیفہؒ معروف و مشہور ہیں کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ کی ولادت ۸۰ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ میں امام ابو یوسفؒ ان کے اجل تلامذہ میں سے ہیں جن کی ولادت ۱۱۳ھ اور وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی، امام محمدؒ کی ولادت ۱۳۲ھ میں اور وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی، اس کے بعد عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، قال الشیخ الامام الفقیہ علم الانام حجۃ الاسلام ابو جعفر الوراق الطحاوی المصری رحمہ اللہ ھذا ذکر بیان عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ علی مذھب فقھاء الملۃ ابی حنیفۃ النعمان بن بن ثابت الکوفی وابی یوسف یعقوب بن ابراھیم

الْاَنْصَارِیِّ وَاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ الشَّیْبَانِیِّ

رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ وَمَا یَعْتَقِدُوْنَ مِنْ اُصُوْلِ

الدِّیْنِ وَیَدِیْنُوْنَ بِہٖ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

**ترجمہ** شروع کرتا ہوں میں، اس اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ فرمایا شیخ امام فقیہ نے جو مخلوق کے سردار اسلام کی دلیل ہیں (یعنی) ابو جعفر وراق طحاوی مصری نے کہ یہ ذکر ہے اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے بیان کا فقہاء ملت کے مذہب کے مطابق (یعنی) ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی اور ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری ابو عبداللہ محمد بن حسن شیبانی رضوان اللہ علیہم اجمعین (کے مذہب کے مطابق) اور انھوں دین میں سے جن کا وہ اعتقاد رکھتے ہیں اور رب العالمین کیلئے جس کو وہ اپنا دین بنائے ہوئے ہیں۔

**تشریح** عبارت کا شروع کا حصہ امام طحاویؒ کا نہیں ہے ورنہ ظاہر ہے کہ وہ خود اپنی کیسے تعریف کرتے بلکہ یہ ان کے بعد ان کے تلامذہ وغیرہ کا الحاق ہے ،، علم الانام یعنی مخلوق کے سردار، ابو جعفر یہ آپ کی کنیت ہے وراق، یہ نسبت امام طحاوی کے بارے میں عموماً بیان نہیں کیجاتی مگر بہرحال اس میں کچھ حرج نہیں وراق کے دو معنیٰ ہیں (۱) مصاحف مجید اور کتب حدیث کو لکھنے والا (۲) کاغذ فروش، اور ظاہر ہے کہ امام طحاویؒ نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں، تقریباً ۳۰، کتابیں.. جن میں سے بعض بہت ضخیم ہیں تصنیف، فرمائی ہیں اس معنیٰ کر آپ کو وراق کہا گیا ہے طحاوی مصر کے قریب ایک گاؤں کا نام طحا ہے جو آپ کا اصلی وطن ہے اس کی جانب منسوب ہو کر طحاوی کہلاتے ہیں مصری۔ چونکہ آپ مصر کے ہیں اسلئے

مصری کہلاتے ہیں اہل سنت والجماعت وہ جماعت جو جماعت صحابہ اور تابعین کے نقش قدم پر ہو اور احادیث نبویہ کی پابند ہو اور دیگر بدعات مخترعہ سے مجتنب ہو ان کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں ورنہ اور بہتر فرقے ہیں جن کو اہل سنت والجماعت سے خارج شمار کیا جاتا ہے۔

فقہاء الملۃ مبدل منہ اور ابی حنیفۃ الخ اس سے بدل ہے یا یہ عطف بیان ہے

وما یعتقدون کا بیان پر عطف ہے اور یہ عطف عطف تفسیری ہے اور اصول دین فروع دین کا مقابل ہے یعنی اعتقادیات یعنی اصول دین میں جو ان حضرات کے معتقدات ہیں ان کو بیان کیا جائے گا، وما یدینون بہ لرب العالمین کا عطف وما یعتقدون پر عطف تفسیری ہے دان یدین دینا بہ، دین بنانا، یعنی عقیدہ رکھنا تو دونوں کا حاصل ایک ہی ہوا، اس سے زیادہ تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## دوسرا سبق ـ

تمام ادیانِ سماویہ کی بنیاد توحید پر ہے، تمام انبیاء کا دعوتِ توحید میں اشتراک ہے، اور منازل سلوک و معرفت کا پہلا درجہ توحید ہے، اور کلمۂ توحید ایسا کلمہ ہے کہ جسکو سو سال کا وہ بوڑھا جس نے اپنی ساری زندگی اسلام کے ساتھ بغاوت میں خرچ کی ہو جب صدق دل سے اس کو پڑھتا اور مانتا ہے تو اسی لحظہ میں اس کو مؤمن بنا دیتا ہے اور اب تک جو گناہ بحالت کفر صادر ہوئے ہیں وہ معاف ہو جاتے ہیں اور اسی کلمۂ توحید کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ، تو گویا توحید ہی کے ذریعہ اسلام میں دخول ہوا تھا اور توحید ہی کے ساتھ دنیا سے رخصتی ہوئی

چاہیئے"، تو امر اول بھی توحید اور امر آخر بھی توحید اور یہ بھی مسلم ہے کہ بندہ بغیر توفیقِ خداوندی کے کچھ نہیں کرسکتا"، اب دیکھئے امام طحاویؒ کی عبارت"۔

## نقول فی توحید اللہ معتقدین بتوفیق اللہ

**ترجمہ** ہم اللہ کی توفیق کے بھروسہ پر اللہ کی توحید کو شروع کر رہے ہیں"، باقی بات عبارت کی ظاہر ہے "، آگے دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات وافعال وشئون میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس کا کوئی ہمجنس ہے اور نہ وہ خود جنس ہے وہی مستحق عبادت ہے اور وہی ہماری توجہات کا قبلہ ہے"، حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں۔

## إِنَّ اللهَ تعالیٰ واحدٌ لا شریک لہٗ۔

**ترجمہ** بیشک اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے"، آگے دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں ہے، نہ اس کی ذات میں اور نہ صفات وافعال وغیرہ میں، نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے نہ اس کے دین کی طرح کوئی دین ہے اسی کو حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں،

**لا شیء مثلہٗ،** اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ میں کمال قدرت ہے، یعنی قدرت وقوت کا کوئی ایسا درجہ نہیں ہے جو ذات باری میں نہ ہو علمی اعتبار سے بھی وہ ہر چیز کو محیط ہے اس کی قدرت بھی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور کسی کے اندر کسی کام کو کرنے سے عجز کے اسباب میں سے یا تو اس کا ضعف وکمزوری بنتی ہے یا اس کا عدم علم یعنی جہالت ونادانی بنتی ہے اور اس کی قدرتِ کاملہ مسلّم اور اسکا علم

محیط علم ومنصوص لہذا معلوم ہوا کہ وہ عاجز نہیں ہے کوئی چیز اس کو عاجز نہیں بنا سکتی اسی کو امام طحاویؒ نے فرمایا۔

**ولاشیئ یعجزہ** کوئی چیز اس کو عاجز نہیں کرسکتی ہے،

پھر فرماتے ہیں۔

**ولا الٰہ غیرہ** اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے "

آگے سنئے اللہ کی ذات، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی یعنی اس کی کوئی بدایت نہیں اور اس کی کوئی نہایت نہیں یعنی وہ ازلی اور ابدی ہے ازلی ہی کو قرآن نے الاوّل سے اور ابدی کو الآخر سے تعبیر فرمایا ہے هو الاوّلُ والآخِرُ، اس مفہوم کو مسلم شریف کی حدیث میں ایسے بیان کیا گیا ہے اللّٰهم انت الاول فلیس قبلك شیئ وانت الآخر فلیس بعدك شیئ، انہیں دونوں باتوں کو امام طحاویؒ نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا ہے۔

**قدیمٌ بلا ابتداءٍ دائمٌ بلا انتہاءٍ** قدیم ہے بغیر ابتداء کے ہمیشہ رہنے والا ہے بغیر کسی انتہاء کے یعنی وہ ایسا قدیم ہے جو واجب الوجود ہے جس پر بدایت ونہایت میں عدم طاری ہونا محال ہے نصوص میں قدیم کا استعمال نہیں آیا لیکن یہ اول کے معنی میں ہے اس لئے اس کو بمعنی اول استعمال کرلیا جاتا ہے مگر اول میں جو لطافت ہے وہ قدیم میں نہیں اس لیئے کہ اول اس معنی کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ کہ اس کی بدایت نہیں اس معنی کی جانب بھی مُشعر ہے کہ غیر اللہ کا مرجع وہی ذات باری ہے سب اسی کی جانب لوٹنے والے ہیں اور سب اسی کے تابع ہیں، جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ اول بھی ہے اور آخر بھی یعنی وہ قدیم لم یزل اور دائم لایزال ہے تو اس سے خود بخود یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس کی ذات فنا نہ ہوگی اور نہ اس کی ذات کے لیئے

ہلاکت ہے اور اس کے علاوہ سب کو ہلاک ہونا ہے اور سب کو فنا ہونا ہے وہ دوسری بات ہے کہ نوعیت ہلاکت جداگانہ ہو یعنی بعض چیزیں جلدی فنا ہوں گی اور بعض کچھ دیر میں مگر ہلاکت سب کیلئے ہے فقط تنہا اسی کی ذات ہے جو ہلاکت وفنا سے پاک ہے اسی کو امام صاحبؒ فرماتے ہیں۔

## لا یفنیٰ ولا یبیدُ

نہ وہ فنا ہوگا اور نہ وہ ہلاک ہوگا۔ فَنِیَ یَفْنیٰ اور فنیٰ یَفنیٰ فنا ءً فنا ہونا بَادَ یَبِیْدُ بَیْدًا ہلاک ہونا ،، آگے سنئے۔

فرق باطلہ میں سے ایک فرقہ قدریہ ہے اور ایک معتزلہ، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے مگر مومن اس کے ارادہ کے مطابق ایمان لے آتا ہے اور کافر ایمان نہیں لاتا، بر بنا ر جہالت انھوں نے یہ بات کہی انھیں یہ خدشہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو مرید کفر ٹھہرایا جائے تو یہ اللہ کی جانب غلط انتساب ہے مگر ان کی یہ بات خلق اور کسب کے درمیان فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے مؤمن سے ایمان کا اور کافر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے ورنہ افعالِ کثیرہ کا خلافِ ارادۂ خداوندی وقوع لازم آئے گا جو باطل ہے اور دلیل عجز ہے تعالی اللہ عن ذلك علوًا کبیرًا اسی کو حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں۔

## ولا یکون الا ما یُرید

اور نہیں ہوتا مگر وہی جس کا وہ ارادہ کرتا ہے اور آگے سنئے۔

انسان عقل اور دیگر قویٰ ظاہریہ اور باطنیہ کے ذریعہ کہیں علم یقینی حاصل کرتا ہے کہیں ظن وغیرہ مگر علم انسانی کی ایک حد ہے اور اس کے آلات کی رسائی کی ایک حد مقرر ہے اور اس مقررہ حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا جیسے وہ علوم ومعارف

جو بذریعہ وحی اللہ نے بندوں کو عطا فرمائے ہیں خصوصًا احوال معاد و حشر و نشر ان علوم کو انسان اپنی عقل و ادراک سے حاصل نہیں کرسکتا تھا جب انسان ان امور کو حاصل کرنے میں عاجز تھا تو عقل انسانی ذاتِ باری کا کیونکر ادراک کرسکتی ہے یا اس کی قوت متخیلہ اور وہمیہ یہاں کیونکر کام کرسکتی ہے کیونکہ انسانی وہم و خیال اجسام محسوسات مادیہ کا ادراک کرسکتے ہیں اجسام لطیفہ نورانیہ تک بھی اس کی رسائی نہیں تو ایسی ذات پاک جو مادہ اور جسم کی ظلمات سے پاک ہو اس کا انسان کیونکر ادراک کرسکتا ہے جب عقل انسانی قاصر ٹھہری تو قوتِ وہمیہ اور قوتِ متخیلہ کا بدرجۂ اولیٰ عجز معلوم ہوگیا۔

ہر چیز کے ماله وما علیہ سے واقفیت اسی کو ہے اور علوم غیب کی کنجیاں دستِ ایزدی میں ہیں اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اس کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا، اسی کو حضرت مصنف'' فرماتے ہیں۔

## لَا تَبْلُغُهُ الْاَوْهَامُ وَلَا تُدْرِكُهُ الْاَفْهَامُ

اوہام انسانی کی اس تک رسائی نہیں اور عقول انسانی اس کا ادراک نہیں کرسکتیں گویا یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب ترقی ہے، اسی کو صاحب سلم'' نے فرمایا ہے لایحد ولایتصور، یعنی اس کا تصور تخیلات انسانی کی پرواز سے بالاتر ہے پھر نہ آنکھیں اس کا ادراک کرسکیں نہ عقول وتخیلات ،، اور آگے سنئے۔

مخلوق کی کوئی مشابہت بھی اس کے ساتھ نہیں ہے ،، اگرچہ وجود وقدرت علم، سماع، رویت وغیرہ بندوں کی بھی صفات ہیں ،، مگر اس کا وجود مخلوق کے وجود کے مثل نہیں اور اس کا علم مخلوق کے علم کے مثل نہیں اور یہی حال قدرت وغیرہ کا ہے ، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کے اندر یہ صفات نہیں بلکہ صفات ہیں مگر مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں الفقہ الاکبر میں امام ابو حنیفہ'' فرماتے ہیں لایشبہ شیئا

من خلقہ ولا یشبہہ شئ من خلقہ ثم قال بعد ذلک وصفاتہ کلھا
خلاف صفات المخلوقین یعلم لا کعلمنا، ویقدر لا کقدرتنا ویری لا کرؤیتنا
اسی کو حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں

## ولا یشبہہ الانام

مخلوق اس کے مشابہ نہیں ہے۔
یہاں سے امام طحاویؒ فرقۂ ضالہ مشبہہ پر رد کرنا چاہتے ہیں جو اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ آگے سنئے۔

خداوند عالم کے کوئی مشابہ نہیں اور نہ وہ کسی کے مشابہ ہے تو ہم مخلوقات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں کہیں عجز ہے اور کہیں دیگر کوتاہیاں ہیں مثلاً مرنا، سونا، جو گویا کہ مرنے کا مرادف ہے، تو ضروری ہوا کہ وہ ذاتِ پاک جس کا کوئی مشابہ نہیں ان صفاتِ مخلوق میں بھی وہ سب سے ممتاز ہو، نہ اس کو کبھی موت آئے اور نہ اس کو اونگھ اور نیند آئے، کیونکہ یہ عوارض اس کے کمالِ ذاتی کے منافی ہیں اس لئے باری تعالیٰ ان اوصاف عجز و قصور سے پاک ہے ارشاد باری ہے ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم یعنی اس کی صفت حیؒ ہے یعنی کبھی موت کا سوال نہیں اور موت کا کیا مطلب وہ خود خالق موت ہے قیوم ہے یعنی سب کو تھامنے والا اور سب کا مدبر ہے درحقیقت قیوم ازلیت وابدیت کے معنیٰ پر دال ہے اور یہ دلالت لفظ قیوم میں لفظ قدیم سے زیادہ ہے نیز قیوم کے اندر قدامت کے معنیٰ پائے جانے کے ساتھ موجود بنفسہ کا بھی مفہوم ہے یعنی واجب الوجود کے مفہوم کی بھی ترجمانی قیوم سے ہوتی ہے اور قیام سے زیادہ مبالغہ قیوم کے اندر ہے اس لئے کہ واؤ الف سے اقویٰ ہے، اس لئے اس کی دلالت قیام بنفسہ اور اقامت لغیرہ پر ہوگی۔ سنۃ نیند کا ابتدائی حصہ ہے اور جب وہ اپنے کمال کو پہنچتی ہے تو اس کو نوم کہا جاتا ہے بہرحال ذاتِ باری ان جملہ عوارض سے پاک ہے ورنہ اگر حیات ابدیہ نہ ہوتی تو قیوم کیسے ہوتا اور نیند وغیرہ کے عوارضات ہوتے تو تدبیر میں خلل واقع ہوتا، اسی کو حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں۔

## حَیٌّ لَا یَمُوتُ قَیُّومٌ لَا یَنَامُ

ایسا حی ہے جسے موت نہیں ایسا قیوم ہے جو سوتا نہیں ہے۔ آگے سنئے

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ خداوند قدوس ہر قسم کے نقائص سے پاک ہے اور جملہ امور پر قدرت رکھتا ہے اور انسان کے اندر بہت کمزوری اور ضعف ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو انسان اتنی کمزوری کے باوجود خود پیدا ہو جائے نا ممکن، بلکہ اس کا اور دیگر مخلوقات کا ضرور کوئی خالق ہوگا اور جو خالق ہوگا وہ قدرت وحکمت وعلم میں ایسا ہونا چاہیئے کہ جس کے سامنے ساری قدرتیں فیل ہوجائیں بلکہ سب کی قدرتیں اسی کی مخلوق ہونی چاہئیں تو وہی خالق ہے مگر وہ اپنے کسی مقصد کیلئے انسان کو یا دیگر مخلوقات کو پیدا کرے یہ اس کی شانِ صمدیت کے خلاف ہے اس لیئے ضروری ہوا کہ اللہ کا مقصدِ تخلیق کائنات سے اپنے ذاتی منافع کی تحصیل نہ ہو بلکہ مقصد کچھ اور ہو مثلاً اپنی شان ستاری اور غفاری کو دکھانا مقصود ہے ارشاد باری ہے و ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

شعر
من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگا جودے کنم

نیز انسان اور دیگر مخلوقات کے پیدا ہونے کے بعد ان میں سے کچھ محتاج رزق ہیں رزق کی بھی ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی دینے والا ہے اور روزی دینے میں اسے کوئی مشقت لاحق نہیں ہوتی کیونکہ اس کی قدرت کا حال یہ ہے اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْن اسی کو حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں۔

## خَالِقٌ بِلَا حَاجَةٍ رَازِقٌ بِلَا مُؤْنَةٍ

اپنی کسی ضرورت کے بغیر مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہے اور بغیر کسی مؤنت ومشقت کے رزق پہونچانیوالا ہے۔ آگے سنئے۔

جب ما قبل میں خداوند عالم کا ہر شئی پر قادر ہونا معلوم ہوا اور کمالِ قدرت کا مقتضا یہ ہے کہ اس کو نہ کسی کے مرنے سے خوف ہو اور نہ جینے سے اور مارنا اور جلانا

یہ بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہی موت و حیات کا خالق ہے تو جیسے اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا مگر کسی طمع و لالچ کی بنیاد پر نہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ مُمیت ہے یعنی مارنیوالا ہے مگر کسی کی حیات کے سلب کرنے میں اسے کسی کا کوئی خوف نہیں ہے اور وہ خوف بھی کس سے کرے اور کیوں کرے،، پھر جب ابتدائً اللہ نے تمام مخلوقات کو بغیر نمونہ کے پیدا فرما دیا تو دوبارہ زندہ کرنے میں اسے کیا مشقت لاحق ہوسکتی ہے جب اس کی قدرت کا کمال مسلم ہے تو پھر مشقت کا کیا مطلب ہو سکتا ہے تو وہ جیسے ایجاد پر قادر ہے ایسے ہی اعدام و اہلاک پر قادر ہے اور پھر دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے ''

بعث مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جانے کا عقیدہ بھی ضروریات دین میں سے ہے جس کا منکر کافر ہے اسی کو حضرت مصنفؒ نے فرمایا۔

**مُمِيتٌ بِلَا مَخَافَةٍ بَاعِثٌ بِلَا مَشَقَّةٍ** مارنے والا ہے بغیر کسی خوف کے، دوبارہ (مرنے کے بعد) اٹھانے والا ہے بغیر کسی مشقت کے۔

## سبق نمبر ۳

اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے ازلی و ابدی ہے نہ اس پر کبھی عدم طاری ہوا اور نہ کبھی اس پر عدم طاری ہوگا اور اس کی ذات ہر وقت ازل سے ابد تک جملہ صفات کمالیہ سے متصف ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ صفات باری تعالیٰ ازلی اور ابدی ہوں ورنہ صفات کا ذاتِ باری سے انفکاک لازم آئے گا،، جو وجوب اور قدامت کے منافی ہے. بہر حال اس کی ذات بھی ازلی اور ابدی ہے اور اس کی صفات بھی ازلی اور ابدی ہیں جب یہ بات مسلّم ہوئی کہ اللہ اور اس کی صفات قدیم ہیں جن کا ذات سے انفکاک (جدا ہونا) جائز نہیں ہے تو اس سے خود بخود یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسکی صفات کے ثبوت میں مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہے یعنی خالق ہونے میں مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہے وہ اب بھی خالق ہے اور روز ازل ہی سے خالق ہے اگرچہ مخلوق کو پیدا

کرنے کے سلسلہ میں اس کی مشیت وارادہ کی وابستگی قدرت کے ساتھ بعد میں ہوئی، یعنی مخلوق کے پیدا ہونے کی وجہ سے اس کو خالق نہیں کہا گیا اور بریۃ (مخلوق) کو پیدا کرنے کی وجہ سے اس کو باری نہیں کہا گیا، بلکہ بغیر مخلوق کے اس کے لئے صفت خالقیت ثابت ہے اور بغیر مربوب کے اس کیلئے صفت باری ثابت ہے، اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسا کہ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت محی الموتیٰ ہے (مردوں کو زندہ کرنے والا) تو جیسے مردوں کو زندہ کرنے کے بعد وہ اس وصف سے متصف ہے ایسے ہی احیاء سے پہلے بھی وہ محی ہے ایسے ہی وہ انشاء خلق سے پہلے خالق ہے اور جب مخلوقات کے اندر بھی اس کا نمونہ موجود ہے جیسے مفتی اس کو کہتے ہیں جو فتویٰ دے تحریراً یا تقریراً مگر جو اس وقت میں فتویٰ نہیں دے رہا ہے مگر اس میں فتویٰ دینے کا ملکہ اور استعداد ہے اور اس کا کام بھی فتویٰ دینے کا ہے مگر وہ اس وقت فتویٰ نہیں دے رہا ہے پھر بھی اس کو مفتی کہا جاتا ہے یہی حال قاری، کاتب، حکیم، ڈاکٹر وغیرہ کا ہے۔

جب صفات مخلوقات کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان تو اعلیٰ وارفع ہے وہاں بھی خالق ہونے کے لئے خلق کا وجود ضروری نہیں بلکہ وہ ہمیشہ سے خالق ہے رازق ہے اور ساری صفات کا یہی حال ہے اسی کو حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

---

**مَا زَالَ بِصِفَاتِهِ قَدِيمًا قَبْلَ خَلْقِهِ** وہ ہمیشہ اپنی صفات کے ساتھ قدیم رہا مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی مازال افعال ناقصہ میں سے ہے اور قدیماً اسکی خبر ہے۔

---

**لَمْ يَزْدَدْ بِكَوْنِهِمْ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ قَبْلَهُمْ مِنْ صِفَاتِهِ**

اضافہ نہیں ہوا مخلوق کے ہونے کی وجہ سے کسی ایسی چیز کا جو ان سے پہلے نہ ہو اسکی صفات میں سے۔

وَكَمَا كَانَ بِصِفَاتِهِ أَزَلِيًّا كَذَٰلِكَ لَا يَزَالُ عَلَيْهَا أَبَدِيًّا

اور جیسے وہ اپنی صفات کے ساتھ ازلی ہے ایسے ہی وہ ان صفات پر ہمیشہ رہیگا یعنی وہ ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے یعنی نہ اس کی ذات وصفات کی بدایت ہے اور نہ نہایت ہے اول کو پہلے جملہ سے اور ثانی کو ثانی جملہ سے بیان فرمایا ہے۔

لَيْسَ مُنْذُ خَلَقَ الْخَلْقَ اسْتَفَادَ اسْمَ الْخَالِقِ وَلَا بِإِحْدَاثِهِ الْبَرِيَّةَ اسْتَفَادَ اسْمَ الْبَارِي لَهُ مَعْنَى الرُّبُوبِيَّةِ وَلَا مَرْبُوبَ وَمَعْنَى الْخَالِقِيَّةِ وَلَا مَخْلُوقَ۔

اس نے مخلوق کو پیدا کرنے کی وجہ سے اسم خالق کا استفادہ نہیں کیا اور بریہ (مخلوق) کو پیدا کرنے کی وجہ سے اسم باری کا استفادہ نہیں کیا اس کیلئے ربوبیت کی صفت ہے حالانکہ کوئی مربوب نہیں اور خالقیت کی صفت ہے حالانکہ کوئی مخلوق نہیں۔

وَكَمَا أَنَّهُ مُحْيِي الْمَوْتَىٰ بَعْدَ مَا أَحْيَا اسْتَحَقَّ هَٰذَا الِاسْمَ قَبْلَ إِحْيَائِهِمْ كَذَٰلِكَ اسْتَحَقَّ اسْمَ الْخَالِقِ قَبْلَ إِنْشَائِهِمْ۔

اور جیسا کہ وہ محی الموتیٰ (مردوں کو زندہ کرنے والا ہے) ہے بعد احیاء کے وہ مستحق ہے اس نام کا ان کے احیاء سے پہلے ہی ایسے ہی وہ مستحق ہے اسم خالق کا ان کے انشاء سے پہلے ہی ،، بریۃ بمعنی مخلوق جمع برایا ،،

مگر یہ بات زیادہ عجیب سی معلوم ہو رہی تھی کہ ساری صفات باری ازلی ہیں اور مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی وہ خالق ہے اس استعجاب وحیرت کو ختم کرنے کیلئے بہت نفیس پیرایہ میں حضرت امام طحاوی فرماتے ہیں۔

## ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

یہ یعنی اس کی صفات کا ازل میں مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے ثبوت اس بنا پر ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اس سے جہاں شیخؒ کا منشا بات کو سمجھانا ہے وہیں معتزلہ کی تردید بھی ہے جو بندہ ہی کو خالق افعال کہتے ہیں مگر قرآن میں فرمایا گیا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جملہ ممکنات شئی ہیں لہٰذا ان پر قدرتِ خدا ثابت ہے معتزلہ کی تاویلاتِ فاسدہ غلط ہیں اور انھوں نے خلق اور کسب کے درمیان فرق نہ کر سکنے کی وجہ سے دھوکہ کھایا ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور تمام چیزیں اس کی محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے تو اس کی صفات کا ثبوت کبھی مخلوق کی جانب انتساب کا محتاج نہیں ہے اسی کو حضرت شیخؒ نے فرمایا۔

وَكُلُّ شَيْءٍ اِلَيْهِ فَقِيْرٌ — اور تمام چیزیں اس کی محتاج ہیں

وَكُلُّ اَمْرٍ عَلَيْهِ يَسِيْرٌ — اور اس پر ہر ہر چیز آسان و سہل ہے

لَا يَحْتَاجُ اِلٰى شَيْءٍ — وہ کسی شئی کا محتاج نہیں ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ — اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اس جملہ سے امام طحاویؒ مشبہ کی تردید کر رہے ہیں۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ — اور وہ (اللہ) سمیع و بصیر ہے یعنی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یہ فرقہ معطلہ پر رد ہے جو صفاتِ باری کا انکار کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# سبق نمبر ۴

مخلوق کا وجود ممکن ہے اور ممکن کی دونوں طرفیں مساوی ہوتی ہیں کسی ایک جہت کی ترجیح کے لئے کسی مرجح کی ضرورت ہے اور وہ مرجح خالق کائنات ہے لہذا معلوم ہوا کہ مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بھی مسلّم بات ہے کہ بغیر علم کے چھوٹا سا کام نہیں ہوتا دیوبند کے اسٹیشن پر جانے کیلئے بھی علم کی ضرورت ہے ورنہ بجائے اسٹیشن کے دیوی کنڈ پر پہنچ سکتا ہے۔

تو عالم کا اتنا بڑا کارخانہ اور بڑے زبردست نظام کو پیدا کرنا اور چلانا بغیر علم کے کیونکر ہو سکتا ہے لہذا خالق کے اندر جہاں اور صفاتِ قدرت، حیات، ارادہ، سمع، اور بصر وغیرہ کا ہونا ضروری ہے ایسے ہی اس کے اندر صفت علم کا ہونا ضروری ہے اور یہ نظام مستحکم، خود زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مجھے پیدا کرنے والا زبردست قدرت کا مالک ہے اور غیب کی کنجیاں اس کے پاس ہیں کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں ہے، لہذا معتزلہ جو صفات کے منکر ہیں آیات قرآنی سے ان کی تردید ہوتی ہے حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

**خَلَقَ الْخَلْقَ بِعِلْمِهٖ** اس نے مخلوق کو پیدا کیا اپنے علم سے "

خَلَقَ یہاں اَوْجَدَ اور انشاء کے معنی میں ہے اور خَلَقَ کبھی قَدَّرَ کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، مصنفؒ کا قول بعلمہٖ بربنار حالیت محلِ نصب میں ہے ای خَلَقَهُمْ عَالِمًا بِهِمْ:

پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرما کر ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا ہے کہ اس سے وہی خواص وافعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے پیدا کی گئی ہے اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی، نہ اپنی حدود میں عمل و تصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے غرض

ہر چیز کو ایسا ناپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی، بڑے بڑے سائنس داں حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخرکار ان کو یہی کہنا پڑتا ہے صنع اللہ الذی اتقن کل شیٔ: اور تبارک اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اندازہ مقرر فرما دیا ایسے ہی ہر چیز کو جو امر پیش آنے والا ہے وہ پہلے ہی سے علم الٰہی میں ہے دنیا کی عمر اور قیامت کا وقت بھی اس کے علم میں ہے ہر چیز اپنے وقت مقررہ پر ہو گی جس میں ذرا تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی اسی کو حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

**وَقَدَّرَ لَهُمْ اَقْدَارًا** اور متعین کیا مخلوق کیلئے مقداروں کو اقدار قدر کی جمع ہے بمعنی انتہا اور معین وقت

اقدار قدّر کا مفعول بہ ہے نہ کہ مفعول مطلق کیونکہ یہ مصدر نہیں ہے۔

پھر ہر چیز مخلوقات میں سے فنا ہو گی اور ان کی فنائیت کا ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی لہٰذا جو شخص بھی مرتا ہے اور جو چیز بھی فنا ہوتی ہے اپنے وقت مقرر پر فنا ہوتی ہے خواہ وہ اپنی موت مرے یا کوئی دوسرا اس کو قتل کرے یا ہلاک کرے مگر یہ اس کے وقت مقرر پر ہے اور قاتل اپنے اس فعل کی وجہ سے مجرم ہے جو اس نے اوامر و نواہی کی مخالفت کرتے ہوئے کیا ہے۔

اس کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں ۔۔

**وَضَرَبَ لَهُمْ اٰجَالًا** اور اللہ نے ان کے لئے مدتیں مقرر فرما رکھی ہیں: آجال اجل کی جمع ہے اجل کہتے ہیں کسی شئی کی عمر مقرر کی مدت کو۔

روافض اور قدریہ کی جہالت اور خرافات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ان کا علم نہیں ہوتا، مگر ان کی یہ بات صریح غلط ہے بلکہ اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے اس کو ما کان وما یکون کا کلی علم ہے تو جیسے

وہ پیدا کرنے کے بعد مخلوق کی پوری واقفیت رکھتا ہے ایسے ہی پیدا کرنے سے پہلے پورا علم رکھتا ہے اور چونکہ بندوں کے اعمال کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے لہذا وہ بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے اعمال کو جاننے والا ہے اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَلَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ قَبْلَ اَنْ خَلَقَهُمْ وَعَلِمَ مَا هُمْ عَامِلُوْنَ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَهُمْ۔ اور اس پر مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ ان کو پیدا کرنے سے پہلے ان کاموں کو جانتا ہے جن کو بندے کریں گے۔

پھر جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا تو ان میں سے کچھ تو ایسی مخلوق ہے جو مکلف ہیں اور کچھ ایسی مخلوق ہے جو بعض مکلفین کی خادم ہے انہیں مکلفین میں جن وبشر ہیں جو اوامر ونواہی کے مکلف ہیں چونکہ ان کو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور عبادات کے طرق پسندیدہ ہونے ضروری ہیں اور پسندیدہ طرق کا علم بغیر امر ونہی کے نہیں ہو سکتا تھا اسلئے اللہ نے بندوں کو اپنی طاعت کا حکم دیا اور معصیت کے ارتکاب سے منع فرمایا اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں،

وَاَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهٖ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهٖ

اور اللہ نے بندوں کو اپنی طاعت کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی سے منع فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ ہی خالق کل اور مالک کل ہے تو ضروری بات ہے کہ جو وہ چاہے وہی اس کے ملک میں ہو اسی کی مشیت و ارادہ کے تحت سب کچھ ظہور میں آئے اور جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اسی کے مطابق جملہ امور اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہیں جو وہ چاہے ہو اور جس کو نہ چاہے وہ نہ ہو کافر کا کفر، فاسق کا فسق تقدیر الٰہی کے مطابق ہے اور اسکی مشیت وارادہ کے ماتحت ہے اور اس کے فیصلہ اور حکم تکوینی کے ماتحت ہے کفر کافر مراد الٰہی

تو ہے مگر اس کے ساتھ رضاء الٰہی وابستہ نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ - اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں -

وَکُلُّ شَیْءٍ یَجْرِیْ بِتَقْدِیْرِہٖ وَمَشِیْئَتِہٖ وَمَشِیْئَتُہٗ تَنْفُذُ لَا مَشِیْئَۃَ لِلْعِبَادِ اِلَّا مَا شَاءَ لَهُمْ فَمَا شَاءَ لَهُمْ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاءْ لَمْ يَكُنْ

اور ہر چیز اس کی تقدیر اور اس کی مشیت کے مطابق جاری ہے اور اس کی مشیت نافذ ہوتی ہے بندوں کی کوئی مشیت نہیں ہے مگر جو ان کے لیے اللہ نے چاہا تو اللہ نے اُن کے لیے چاہا وہ ہوا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔

پھر جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر چیز کا وہی خالق ہے اور خلق ہر چیز کا حسن ہی حسن ہے البتہ بندہ کا فعل کسب ہے اور کسب کے لیے اصول یہ مقرر ہے کہ کسب حسن تو حسن ہے اور کسب قبیح، قبیح ہے لہذا ہدایت کا خالق بھی وہی ہے اور ضلالت کا بھی مگر بندہ گمراہ ہونے کی صورت میں مجرم اسلئے ہے کہ مدار تکلیف قدرت و اختیار ہے جو بندے کے اندر موجود ہے اسلئے ترک امر و نہی کی وجہ سے گنہگار ہو گا اور مجرم ہو گا اور اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں اور نہ اس پر وہ کام کرنا واجب ہے جو بندہ کے لیے اصلح و بہتر ہو بلکہ اگر وہ بندوں کو ہدایت دے اور ان کی حفاظت کرے کہ ان کو گناہوں سے محفوظ رکھے تو یہ محض اس کا فضل ہے اور اگر اس کے برعکس ہو تو وہ اس کا عدل ہے۔

اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں -

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَيَعْصِمُ وَيُعَافِيْ فَضْلًا وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَخْذُلُ وَيَبْتَلِيْ عَدْلًا۔ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور حفاظت کرتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے بطور فضل کے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور اس کی مدد چھوڑ دیتا ہے اور مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے بطور

عدل کے ،، فَضلاً اور عَدلاً دونوں مفعول لہ ہیں عافیٰ یُعافی مُعافاۃً بلا اور مصیبت کو دور کرنا، خَذَل یخذُلُ مدد چھوڑ دینا ،،

لہٰذا جتنے بھی کام ہوں گے وہ یا تو اس کے فضل کی بنیاد پر ہوں گے یا عدل کی اسی کو مصنف فرماتے ہیں۔

## وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُونَ فِي مَشِيَّتِهِ بَيْنَ فَضْلِهِ وَعَدْلِهِ

اور تمام لوگوں کی الٹ پھیر ہے اس کی مشیت کے مطابق اس کے فضل اور عدل کے درمیان ،، تو ایمان کی جانب ہدایت ورہنمائی اس کی مشیت کے ماتحت ہے اور یہ اس کا فضل ہے اور کافر کا کفر اور اس کا اضلال ، اس کی مشیت کے ماتحت ہے اور یہ اس کا عدل ہے ۔ فضل کہتے ہیں بغیر استحقاق دینے کو، تو فضل کا حاصل عطاء حسن اور عطاء کثیر ہے اور بندہ کی ان مضرات سے حفاظت ہے جن سے وہ خود نہ بچ سکے ۔ عدل بالمساوی کو کہتے ہیں جس میں نہ زیادتی ہو اور نہ کمی، تو بندہ پر جو مصائب وغیرہ آئے ہیں یہ عدل ہے اور نعمت کا فیضان فضل ہے ۔

تنبیہ :۔ حضرت امام طحاویؒ نے مسئلہ تقدیر کو ایک جگہ بیان نہیں فرمایا بلکہ متفرق مقامات پر بیان کیا ہے لہٰذا مزید گفتگو دیگر مقامات پر آئے گی ۔

جب ماقبل میں یہ بات واضح ہو گئی کہ بندوں کا خالق اور ان کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے بخلاف معتزلہ کے کہ انھوں نے بندہ کو اپنے افعال کا خالق مانا ہے لیکن بندہ کو خالق افعال ماننے میں دو خرابیاں ہیں (۱) بندہ بھی خالق اور اللہ بھی خالق، اس سے خدا اور بندہ کے درمیان خلق میں شرکت لازم آتی ہے حالانکہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے (۲) جب بندہ اپنے افعال کا خالق ہو گا تو بندہ کچھ کرے گا اور اللہ کا ارادہ کچھ اور ہو گا ۔ مثلاً بندہ کفر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا ارادہ کرے گا جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے مگر اللہ کا ارادہ پورا نہیں ہوا اور بندہ کا ارادہ پورا ہو گیا اس سے

معلوم ہوا کہ بندہ کا فرضورت مذکورہ میں اللہ کا معارض و مخالف ہو گیا حالانکہ نہ کوئی اللہ کا معارض ہے اور نہ مثل و شریک ہے اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

## وَهُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْأَضْدَادِ وَالْأَنْدَادِ

اور اللہ تعالیٰ اضداد و انداد سے بالاتر ہے، یعنی نہ کوئی اس کی ضد ہے جو اس سے معارضہ اور مقابلہ کر سکے اور نہ کوئی اس کا مثل و شریک ہے اضداد ضد کی جمع ہے بمعنی معارض و مقابل انداد ندٌّ کی جمع ہے بمعنی مثل ارشاد باری ہے وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اور فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ،،

جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ مسلّم ہے اور اس کی قدرت کے سامنے سب عاجز ہیں تو کوئی طاقت اس کے فیصلہ کو ٹال نہیں سکتی اور کوئی طاقت اس کے حکم کو مؤخر نہیں کر سکتی بلکہ ہر چیز اپنے وقت مقرر پر اس کے فیصلہ کے مطابق ہو گی اور کوئی طاقت اس کے فیصلہ پر غالب نہیں آسکتی، خلاصۂ کلام اس کا تکوینی حکم و فیصلہ اٹل ہے جب وقت آجائے تو کس کی طاقت ہے کہ ایک منٹ کے لئے ملتوی کر کے پیچھے ڈال دے اور انسان کچھ بھی تدابیر اختیار کرے مگر خدا کا بندوبست سب پر غالب آکر رہتا ہے اسی کو امام طحاویؒ نے فرمایا۔

## لَا رَادَّ لِقَضَائِهٖ وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَلَا غَالِبَ لِاَمْرِهٖ

کوئی اس کے فیصلہ کو ٹالنے والا نہیں اور کوئی اس کے حکم کو مؤخر کرنے والا نہیں اور کوئی اس کے حکم پر غالب آنے والا نہیں ہے۔

مسلمان کا حق یہ ہے کہ اس کے سامنے جب عقائد حقہ دلائل حقہ کی روشنی میں آجائیں تو وہ ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے لہٰذا عقائد سے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں کہ سب کچھ تقدیر خداوندی اور اس کی مشیت وارادہ کے ماتحت ہے تو مسلمان

پر واجب ہوا کہ ان تمام باتوں پر ایمان لائے اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

امَنَّا بِذٰلِكَ كُلِّهٖ وَاَيْقَنَّا اَنَّ كُلًّا مِّنْ عِنْدِهٖ

ہم ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے، ایمان پر گفتگو اپنے مقام پر آئے گی اور ایقان بمعنی استقرار ہے جو قر الماء فی الحوض سے ماخوذ ہے اور کُلًّا پر تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اصل عبارت ہے کُلُّ کَائِنٍ مُحدث من عند اللہ یعنی ہر محدث کا وجود و ظہور منجانب اللہ ہے یعنی اس کے فیصلہ اور تقدیر اور مشیت و ارادہ اور حکم تکوینی کے ماتحت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# سبق نمبر ۵

جب بندہ عبادت کا مکلف ہے اور عبادت کا پسندیدہ طریقہ بغیر امر الٰہی اور نہی الٰہی کے معلوم نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ ہر کس و ناکس سے کہے کہ یہ میرا حکم ہے یہ طریقہ بھی خلاف حکمت تھا، اب ضروری ہوا کہ کچھ ایسے افراد منتخب کئے جائیں جو اپنے انوار روحانیہ سے عالم لاہوت سے تعلق رکھیں اور اپنے اجسام و ابدان کے اعتبار سے عالم ناسوت سے تاکہ ان کے ذریعہ بندوں تک احکام الٰہی پہنچ سکیں اپنے احوال باطنیہ کے سبب سے یہ عالم لاہوت سے استفادہ کر سکیں اور اپنے احوال ظاہرہ کے اعتبار سے بندوں کو فیض پہونچا سکیں یہی حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں اور چونکہ نبوت کسبی چیز نہیں بلکہ ایک فضل الٰہی ہے اور ان کا انتخاب منجانب اللہ ہوتا ہے اور انتخاب کرنے والا عالم الغیب والشہادہ ہے اس کے انتخاب میں غلطی کا امکان نہیں ہے یہیں سے انبیاء کی عصمت صاف ہو جاتی ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور نبوت کا یہ سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا اور آخری رسول و نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہیں اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

## وَاِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَبْدُہُ الْمُصْطَفٰی وَنَبِیُّہُ الْمُجْتَبٰی وَرَسُوْلُہُ الْمُرْتَضٰی۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے اور برگزیدہ پیغمبر اور پسندیدہ رسول ہیں اصطفاء اجتباء ارتضاء، سب متقارب المعنیٰ ہیں، ان الفاظ متقاربہ کو جمع کرکے مصنفؒ اس بات کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت ورسالت کے لئے انتخاب اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ نبوت ورسالت امر کسبی نہیں بلکہ محض عطیۂ خداوندی ہے جس کو چاہے اس شرف سے نواز دے۔

تنبیہ (۱):۔ کمالِ مخلوق صفت عبدیت سے بکمال اتصاف ہے جتنا انسان عبدیت میں کمال پیدا کرے گا اتنا ہی اس کا کمال اور درجہ بلند ہوگا اور جن لوگوں نے یہ خیال کیا کہ صفت عبدیت سے خروج کمال ہے تو یہ جہالت وضلالت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسراء کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسم عبد سے تعبیر فرمایا سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (الآیۃ)

تنبیہ (۲):۔ اِنَّ مُحَمَّدًا الخ ان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے مصنفؒ کے قول ان اللہ واحدٌ لا شریک لہٗ پر اس کا عطف ہے جو نقول کا معمول تھا۔ اس لئے اس کو ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

تنبیہ (۳):۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل بکثرت معجزات ہیں جن میں سے قرآن کریم ایک زندہ معجزہ ہے یہ آپ کی نبوت کی حقانیت پر دال ہے نیز آپ کی ذات میں کمال نبوت ہے اور تکمیل انبیاء ہے یعنی آپ کی ذات کو دیکھا جائے تو کامل واکمل اور آپ کے فیض یافتہ لوگوں کو دیکھا جائے تو آپ کی تکمیل ظاہر وباہر ملے گی اور یہی نبوت کے معنیٰ ہیں لہٰذا آپ کی نبوت حق ہے۔

جب آپ کی نبوت حق ہے اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو آپ پر جو وحی نازل ہوئی وہ حق ہے اور آپ نے جو فرمایا وہ حق ہے اور واجب التسلیم ہے لہٰذا قرآن نے فیصلہ فرمادیا کہ آپ خاتم النبیین ہیں، "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ"، اور اتنی احادیث سے ختم نبوت کا ثبوت ہے جو حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں لہٰذا ختم نبوت اسلام کا ایک ایسا عقیدہ ہے جو ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا انکار ضروریاتِ دین کا انکار ہے تو ختم نبوت کا منکر اور اس کی تاویل کرنے والا کافر ہے۔

جیسے بشریت و انسانیت کے تمام کمالات نبوت کے اندر جمع ہیں ایسے ہی نبوت کے تمام کمالات ختم نبوت کے اندر جمع ہیں تو جو خاتم الانبیاء ہوگا وہ اولین و آخرین کے تمام کمالات کو جامع ہوگا، نیز قرآن نے اعلان فرمادیا "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" (الآیہ) اور جب تکمیل ہوگئی تو اس کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی، شواہد فطرت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اکمال کے بعد حالت سابقہ کی جانب اعادہ نہیں ہوتا البتہ اضمحلال وضعف کو دور کرنے کی تدابیر عمل میں آئیں گی اسی طرح یہاں بھی اکمال کے بعد نئے رسول کی ضرورت نہیں البتہ کمزوری اور ضعف کو دور کرنے کیلئے علماء امت اور مجدد دین ملت، سے کام لیا جائے گا، اسی کو امام طحاویؒ نے فرمایا۔

## وَاِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں حدیث میں ہے "وانہ سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین، لا نبی بعدی"،

ہر نبی متقی ہے مگر ہر متقی نبی نہیں ہے تو نبی خاص ہے اور متقی عام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں تمام انبیاء کی امامت فرمائی تو آپ تمام انبیاء کے امام ہوئے تو تمام متقیوں کے بھی آپ امام ہوئے، یا یوں کہو کہ امام اس لئے

ہوتا ہے کہ اس کی اقتدار کیجائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی واسطے مبعوث فرمایا گیا کہ لوگ آپ کی اقتدار و پیروی کریں جیسا کہ ارشاد باری ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ ،، اور آپ کے بعد جو بھی نیک اور متقی بنے گا وہ آپ کی اقتدار اور پیروی کی وجہ سے بنے گا اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں ۔

## وَاِمَامُ الْاَتْقِیَاءِ

اور آپ متقیوں کے پیشوا ہیں ۔

جب آپ خاتم النبیین ہیں اور امام الانبیاء ہیں اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ آپ ہی سید المرسلین ہیں اور تمام انبیاء کے سردار ہیں احادیث کثیرہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ سید الناس، اور سید المرسلین ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں ۔

## سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ

آپ تمام رسولوں کے سردار ہیں

اگرچہ خاتم الانبیاء کا مقام خود سید الانبیاء ہونے کو مستلزم تھا مگر حضرت مصنفؒ نے صاف صاف تشریح فرمادی اور یہی مقام کا تقاضہ ہے ،،

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خلیل اللہ ہیں مسلم شریف میں حدیث ہے ان اللہ اتخذنی خلیلاً کما اتخذ ابراهیم خلیلاً ،، اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خلیل صرف حضرت ابراہیم ہیں اور حبیب صرف آپ ہیں یہ قول غلط ہے البتہ یہ بات درست ہے کہ خلّت ان دونوں حضرات کے لئے ہے اور محبت کبھی غیر کے لئے بھی ثابت ہوتی ہے جیسے فرمان باری ہے فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ،، اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ،، ترمذی میں ابن عباسؓ کی حدیث ہے ان ابراهیم خلیل اللہ الا وانا حبیب اللہ ولا فخر، یہ حدیث ضعیف ہے اسکے راویوں میں سے زمعہ بن صالح اور سلمہ بن وھرام دونوں ضعیف ہیں کذا قیل حاشیہ اگلے صفحہ پر

اور چونکہ مقام محبوبیت امت کے جن افراد کو حاصل ہوا وہ آپ کے اتباع کی برکت سے حاصل ہوا ہے تو آپ سید المحبوبین ہیں اور محبوبیت کے تمام کمالات کو آپ جامع ہیں اسلئے آپ حبیب رب العلمین اور سید المحبوبین ہیں اسی کو امام طحاوی نے فرمایا

وَحَبِيبُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور آپ رب العالمین کے حبیب ہیں

جب ماقبل میں یہ بات واضح ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر آخرالزماں ہیں تو آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ گمراہ ہے خواہ وہ کسی قسم کی بھی تاویلات پیش کرے اس کی کوئی دلیل اور کوئی تاویل مسموع نہ ہوگی بلکہ اس کا وہ حشر ہوگا جو مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کا ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور دیگر صحابہؓ نے نہ اس سے کوئی دلیل مانگی اور نہ اس سے یہ پوچھا کہ تو کیسا نبی ہے ظلی ہے یا مستقل تشریعی یا غیر تشریعی بلکہ اس سے قتال کیا اور اس کو قتل کیا اور اس کی جماعت کو قتل کیا اور باقی ماندہ کو گرفتار کیا گیا اور ان کو غلام باندی بنا کر مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ اس طریقہ کار سے معلوم ہوا کہ آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے اس کا یہی حکم ہے خواہ وہ مسلیمہ کذاب ہو یا مرزا قادیان ہو۔

اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں

وَكُلُّ دَعْوَةِ نُبُوَّةٍ بَعْدَ نُبُوَّتِهٖ فَغَيٌّ وَهَوًى وَهُوَ الْمَبْعُوثُ إِلٰى عَامَّةِ الْجِنِّ، وَكَافَّةِ الْوَرٰى

اور ہر دعویٰ نبوت آپ کی نبوت کے بعد پس وہ گمراہی اور نفس پرستی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام جنات اور انسانوں کی جانب مبعوث ہوئے ہیں۔

ارشاد باری ہے قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

---

ؔ حافظ ابن حجرؒ نے سلمہ بن وھرام کو صدوق لکھا ہے البتہ زمعہ بن صالح کو ضعیف کہا ہے ۱۲ محمد یوسف

اور ارشاد باری ہے وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً ونذیراً
مسلم شریف میں حدیث ہے وارسلت الی الخلق کافۃً وختم بی النبیون
تنبیہ :۔ بعض معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں آپ کو خاتم النبیین کہا ہے نہ کہ خاتم الرسل، تو ہو سکتا ہے کہ کہ آپ کے بعد رسول آئے ؟
جواب ، رسول خاص ہے اور نبی عام ہے اور عام کا انتفاء خاص کے انتفاء کو مستلزم ہے اور جو حضرات ان دونوں میں تساوی کی نسبت مانتے ہیں ان کے قول کے مطابق کوئی اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا۔
عقیدۃ الطحاوی کے متعدد نسخے دیکھنے میں آئے ان میں تو عبارت ایسے ہی ہے مگر شرح العقیدۃ الطحاویہ مطبوعہ عرب، میں وکافۃ الوریٰ کے بعد اس عبارت کا اضافہ ہے۔

---

## بالحق والھدیٰ وبالنور والضیاء

یعنی آپ مبعوث ہیں حق اور ہدایت کے ساتھ اور نور اور ضیاء کے ساتھ
حق اور ہدیٰ نور اور ضیاء یہ دین اور شریعت کے اوصاف ہیں ضیاء کے اندر نور سے زیادہ کمال روشنی ہے ارشاد باری ہے ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا ۔ نور کا تعلق قمر سے ہے اور ضیاء کا شمس سے اور سورج کی روشنی چاند کی روشنی سے کہیں زیادہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سبق نمبر (۶)

باری تعالیٰ کی جہاں دیگر صفات ہیں انھیں میں سے ایک صفت کلام ہے تو اللہ تعالیٰ متکلم ہے مگر اس کا کلام ہمارے کلام جیسا نہیں ہے جیسے اس کی ذات

بے مثال ہے ایسے ہی اس کی جملہ صفات بے مثال ہیں، تو قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کا انکار کفر ہے یہ کلام الٰہی ہے تو اللہ تعالیٰ متکلم تو ہے مگر اس کے تکلم کی کیا کیفیت ہے اور کیا طریقہ ہے اس سے ہم ناواقف ہیں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی ایسا نہیں جیسا کہ مخلوق کا کلام ہے اسلئے کہ ارشاد ربانی ہے لیس کمثلہ شیٔ، تو یہ کلام الٰہی کم و کیف سے منزہ ہے اسلئے کہ کیفیت و کمیت اجسام کے خواص میں سے ہیں اور اللہ اور اس کی صفات عالیہ اجسام کی صفات سے منزہ ہیں۔

اسلئے وہ متکلم تو ہے مگر ہمارے تکلم کے مثل نہیں جیسے ہم زبان اور منہ سے کلام کا تکلم کرتے ہیں کلام الٰہی اس کیف سے منزہ ہے مگر کلام الٰہی قول الٰہی اور فرمانِ الٰہی ہے محض تخیلات نہیں جن کو قلب نبوی پر وارد کر دیا گیا ہو، بلکہ حضرت جبرئیل کے ذریعہ اس کو نازل کیا گیا ہے اور یہ مخلوق کا کلام نہیں بلکہ خالق و مالک کا کلام ہے اور اسی پر فرمانِ باری دال ہے تو جو اس کو مخلوق کا کلام ہے وہ کافر ہے، قرآن کے مسئلہ میں بہت سے فرقے بھٹک گئے خصوصاً معتزلہ جو اس کو مخلوق مانتے ہیں مگر طریق اسلم یہی ہے کہ قرآن کو کلام الٰہی کہا جائے اور اس کو غیر مخلوق کہا جائے ردفصلناہ فی جواھر الفرائد) اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں۔

---

وَاِنَّ الْقُرْاٰنَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُ بَدَا بِلَا كَيْفِيَّةٍ قَوْلًا

اور (ہم قائل ہیں) کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اللہ سے باعتبار قول بغیر کیفیت کے ظاہر ہوا۔

مصنفؒ نے منہ بدا اور قولاً کہکر معتزلہ پر رد کیا ہے جو یوں کہتے ہیں کہ قرآن کا ظہور منجانب اللہ نہیں ہوا بلکہ قرآن کو کلام اللہ کہنا بربناء تشریف ہے جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ کے اندر نیز ان سے یہ بھی منقول ہے کہ قرآن بطریق تخیل حضرت جبرئیل کے قلب پر وارد ہوا پھر انھوں نے اس کو اپنی زبان سے تعبیر کیا منہ بدا کہہ کر پہلے قول کی اور قولاً کہکر دوسرے قول کی تردید کر دی گئی

## وَالشَّفَاعَةُ الَّتِي ادَّخَرَهَا لَهُمْ حَقٌّ كَمَا رُوِيَ فِي الْأَخْبَارِ

اور وہ شفاعت جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لیئے ذخیرہ بنا کر رکھا ہے حق ہے جیسا کہ احادیث میں مروی ہے ،، مشکوٰۃ ۴۹۴ پر حدیث ہے اتانی آتٍ من عند ربی فخیرنی بین ان ید خل نصف امتی الجنۃ وبین الشفاعۃ فاخترت الشفاعۃ وھی لمن مات لا یشرک باللہ شیئاً رواہ الترمذی وابن ماجۃ ،، نیز حدیث میں ہے یشفع یوم القیامۃ ثلثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء رواہ ابن ماجۃ کذا فی المشکوٰۃ ۴۹۵

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے انکی اولاد اور ان سے ان کی اولاد نکالی اور سب سے اپنی خدائی کا اقرار کرایا اور پھر پشت میں داخل کیا اسی کو میثاق کہتے ہیں قرآن میں اور احادیث صحیحہ میں اس کا ذکر ہے لہذا ہم اس کو حق سمجھتے ہیں ۔

اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں

## وَالْمِيثَاقُ الَّذِي أَخَذَهُ اللهُ تَعَالَى مِنْ آدَمَ وَذُرِّيَّتِهِ حَقٌّ

اور وہ عہد جو اللہ تعالیٰ نے آدم اور انکی اولاد سے لیا حق ہے ۔

تنبیہ ۔ تمام عقائد حقہ اور ادیان سماویہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے مذہب کی ساری عمارت اسی سنگ بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے جب تک یہ اعتقاد نہ ہو مذہبی میدان میں عقل وفکر کی رہنمائی اور انبیاء ومرسلین کی ہدایات کچھ نفع نہیں پہونچا سکتیں اگر پورے غور وتامل سے دیکھا جائے تو آسمانی مذہب کے تمام اصول وفروع بالآخر خدا کی ، ربوبیت عامہ کے اسی عقیدہ پر منتہی ہوتے بلکہ اسی کی تہ میں لپیٹے ہوئے ہیں عقل سلیم اور وحی والہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں ،، پس ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا مبدأ ومنتہیٰ اور تمام ہدایات ربانی کا وجود مجمل کہنا چاہیئے عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل وفہم اور وحی والہام کی

آبیاری سے اس تخم کو شجر ایمان و توحید کے درجہ تک پہونچا سکے اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداءً یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس میں سب سے زیادہ اساسی و جوہر عقیدہ کا حل ناخن عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا جس پر سب تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے تھے، جیسا کہ تجربہ بتلاتا ہے کہ فکر و استدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلاف آراء پر منتج ہوتی ہیں اسلئے قدرت نے جہاں غور و فکر کی قوت اور نور وحی و الہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی وہیں اس اساسی عقیدہ کی تعلیم سے انکو فطرۃً بہرہ ور کیا، جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل مطوی و مندمج تھی اور جس کے بغیر مذہب کی عمارت کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا یہ اسی ازلی اور خدائی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے اور جن معدودے افراد نے کسی عقلی و روحانی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اس طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے ایک بخار وغیرہ کا مریض، لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ و بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے بہر حال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر درجہ اور ہر طبقہ کے انسانوں کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق و اجماع اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول و افکار کی دوا دوش سے پہلے ہی فاطر حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلا واسطہ تلقین فرمایا گیا ورنہ فکر و استدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہو جانا تقریباً ناممکن تھا گو ہم کو یاد نہیں کہ اس بنیادی عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی ہے۔

مگر جیسے ایک بکچرار کو یقین ہے کہ ابتدائے عمر میں ضرور اس کو کسی نے الفاظ بولنے سکھائے ہیں گو یہ یاد نہیں کہ کس نے پہلا لفظ سکھایا اور وہ لفظ کیا تھا بلکہ سکھلانا ہی یاد نہیں،، بہر حال یہ میثاق حق ہے اس پر ہمارا ایمان ہے قرآن و احادیث سے اس کا ثبوت ہے اور شان مسلم کا تقاضہ ہے کہ تسلیم و انقیاد کو لازم

پکڑے"

ماقبل میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اللہ علیم وخبیر ہے عالم الغیب والشہادہ ہے اس کا علم ازلی اور ابدی ہے اسے روز اول سے علم ہے کہ کون کون جنت میں داخل ہوں گے اور کون کون دوزخ میں پھر اس علم الٰہی میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی یعنی مقررہ تعداد میں کمی ہو جائے یا مقررہ تعداد میں کچھ اضافہ ہو جائے، ناممکن ہے اور ایسے ہی روز اول سے اس کو علم ہے کہ کون کیا کیا عمل کرے گا اور اس کا انجام معلوم ہے اب انسان کا جو بھی عمل ہو گا اس علم ازلی کے مطابق ہو گا بالفاظ دیگر جس مقام کیلئے جس کو پیدا کیا گیا ہے وہ وہاں تک رسائی کے اسباب بہم پہونچائے گا۔

اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَقَدْ عَلِمَ اللهُ تَعَالٰى فِيمَا لَمْ يَزَلْ عَدَدَ مَنْ يَّدْخُلِ الْجَنَّةَ وَعَدَدَ مَنْ يَّدْخُلِ النَّارَ جُمْلَةً وَّاحِدَةً فَلَا يُزَادُ فِي ذٰلِكَ الْعَدَدِ وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُ وَكَذٰلِكَ أَفْعَالُهُمْ فِيمَا عَلِمَ مِنْهُمْ أَنْ يَّفْعَلُوْهُ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ وَالْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ وَالسَّعِيدُ مَنْ سَعِدَ بِقَضَاءِ اللهِ وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ بِقَضَاءِ اللهِ۔

اور اللہ نے روز ازل میں یکدم ان لوگوں کے عدد کو جان لیا جو جنت میں داخل ہونگے اور جو جہنم میں داخل ہوں گے تو اس عدد میں نہ اضافہ ہو گا اور نہ کمی ہو گی اور ایسے ہی ان کے افعال ان چیزوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ بندے ان کو کریں گے اور ہر ایک میسر ہے اس چیز کے لئے جس کے واسطے اس کو پیدا کیا گیا ہے اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہوتا ہے اور نیک بخت وہی ہے جو اللہ کے فیصلہ سے نیک بخت بنا

اور شقی وہ ہے جو اللہ کے فیصلہ کے مطابق بد بخت بنا۔

تنبیہ :۔ حضرت مصنفؒ نے جو فرمایا ان میں سے کچھ تو بعینہ حدیث کے الفاظ ہیں اور کچھ روایت بالمعنی کے طریقہ پر ہیں یہ امر مسلّم ہے کہ فیصلۂ خداوندی روزازل میں ہو چکا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی یہ بات سنکر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ پھر تو ہم تقدیر پر تکیہ کر کے بیٹھ رہیں تو آپ نے فرمایا اعملوا فکل مُیَسَّرٌ لما خلق لہ یعنی عمل کرو تم میں سے ہر ایک آہستہ آہستہ وہاں تک پہونچا دیا جائے گا جس کیلئے اس کو پیدا کیا گیا ہے یعنی اگر وہ اہل سعادت میں سے ہے تو ایسے ہی اعمال کی اس کو توفیق ہوتی رہے گی اور اسی حالت پر خاتمہ ہوگا اور جنت میں داخل ہو جائے گا اور اگر اہل شقاوت میں سے ہے تو ایسے ہی اعمال اس سے سرزد ہوتے رہیں گے اور اسی حالت پر انتقال ہوگا یہاں تک کہ جہنم میں داخل کر دیا جائے گا ،، پھر حدیث میں فرمایا گیا ہے انما الاعمال بالخواتیم۔ یعنی اعمال کا اعتبار آخری حالت کے اعتبار ہوتا ہے اگر ساری زندگی کافر رہا اور آخر میں کچھ ایام مسلمان رہا اور تسلیم وانقیاد حاصل ہو گئی تو اب حالت سابقہ کا اعتبار نہ ہوگا اور اگر ساری زندگی مسلمان رہا اور آخر میں (نعوذ باللہ من ذلک) مرتد ہو گیا اور اسی حالت ارتداد پر مر گیا تو اب اسی حالت کا اعتبار ہوگا اور یہ سب پہلے سے تقدیر میں لکھا ہوا تھا لہذا یہ جو کچھ ہوا فیصلہ خداوندی کے ماتحت ہوا لہذا سعادت و شقاوت سب اللہ کے فیصلہ کے مطابق ہیں جس کے لئے فیصلہ سعادت ہے وہ اس کا فضل ہے اور جس کے لئے فیصلہ شقاوت ہے اس کا عدل ہے۔

تنبیہ :۔ انسان اوامر ونواہی کا مکلف ہے تقدیر میں کیا لکھا ہے نہ اسکے جاننے کا مکلف اور نہ یہ انسان کے بس کی بات ہے اس کو تو اوامر کے اتباع کا اور نواہی سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے امر تقدیر اس سے اوجھل ہے اللہ نے کیا لکھا ہے ہمیں معلوم نہیں علم معلوم وموجود کا انکار کفر ہے اور علم مفقود کی جستجو اور تتبع کفر ہے بہر حال ہوگا وہی جو فیصلہ قدرت ہو چکا ہے اس کے باوجود انسان کا اختیار

اور اس کی قدرت جس کی بنا پر وہ امور شرعیہ کا مکلف ہے برقرار ہے اسی وجہ سے اسکو مکلف شمار کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سبق نمبر (۹)

ما قبل میں مسئلہ تقدیر پر گفتگو ہو رہی تھی اسی کو مصنفؒ نے بڑے دلنشیں انداز میں بیان فرمایا ہے کہ تقدیر یہ اللہ کا ایک راز ہے جس پر نہ کوئی مقرب فرشتہ مطلع ہے اور نہ کوئی نبی اور رسول اس سے واقف ہے جب راز ٹھہرا تو اس میں گھسنا خطرناک ہے اور اس راز کی جستجو اور تتبع انسان کے بس میں نہیں ہے البتہ وہ اس کے چکر میں پھنسکر حرمان وطغیان تک تو پہنچ سکتا ہے مقصد کی کامیابی تک رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ نے نہ مخلوق کو اس کا علم دیا اور نہ اس میں جستجو کی اجازت دی بلکہ اس نے جو کچھ کیا وہی جانتا ہے اور کیوں کیا اس کی حکمت ومصلحت وہی جانتا ہے دوسرے کو اس سے باز پرس کا استحقاق نہیں بلکہ وہی سب سے باز پرس کرے گا لہٰذا جس نے از راہ اعتراض حکم خداوندی پر یہ کہا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا تو اس نے کتاب کے حکم کو رد کر دیا اور جو کتاب کے حکم کو رد کرے وہ کافر ہے جو حضرات راسخ فی العلم ہیں انکا کام تسلیم وانقیاد ہے اور ماننا ہے اوامر ونواہی کی پیروی ہے اور جس چیز کی جستجو سے منع کر دیا ہے اس سے باز رہتے ہیں اس لئے کہ علم دو قسم کے ہیں ایک وہ ہے جو مخلوق کو دیا گیا اور دوسرا وہ ہے جو مخلوق کو نہیں دیا گیا بلکہ اس کو صیغۂ راز میں رکھا گیا تو علم موجود کا انکار کفر ہے اور علم مفقود کا دعویٰ بھی کفر ہے ایمان کے پختہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ علم موجود کو قبول کرے اور تسلیم وانقیاد اختیار کرے اور علم مفقود کی طلب کو چھوڑ دے اور اپنی جہالت اور خالقِ حقیقی کے علم لامتناہی کا یقین رکھے اسی مضمون کو امام طحاویؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَاَصْلُ الْقَدْرِ سِرُّ اللّٰهِ فِیْ خَلْقِهٖ لَمْ یَطَّلِعْ عَلٰی ذٰلِكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔

اور تقدیر کی اصل اللہ کی مخلوق کے سلسلہ میں اللہ کا ایک راز ہے جس پر نہ کوئی مقرب فرشتہ مطلع ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔

تنبیہ:۔ یہیں سے ان لوگوں کے قول کا بطلان معلوم ہو گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہتے ہیں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم الغیب وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے البتہ مخلوقات میں شریعت کا سب سے زیادہ علم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اوتیت علم الاولین والآخرین او کما قال (الحدیث)

وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظَرُ فِیْ ذٰلِكَ ذَرِیْعَةُ الْخِذْلَانِ وَسُلَّمُ الْحِرْمَانِ وَدَرَجَةُ الطُّغْیَانِ۔

اور اس میں غور و فکر کرنا خذلان کا ذریعہ ہے اور حرمان کا زینہ ہے اور سرکشی کا درجہ ہے ذریعہ بمعنی وسیلہ۔ ذریعہ، سُلّم، درجہ سب کے معنی قریب قریب ہیں ایسے ہی خذلان حرمان، طغیان متقارب المعنی ہیں البتہ اتنا فرق ہے کہ خذلان نصرت کا مقابل ہے اور حرمان ظفر کا مقابل ہے اور طغیان استقامت کا مقابل ہے۔

فَالْحَذَرَ كُلَّ الْحَذَرِ مِنْ ذٰلِكَ نَظَرًا وَّفِكْرًا وَّوَسْوَسَةً

فَاِنَّ اللّٰهَ طَوٰی عِلْمَ الْقَدْرِ عَنْ اَنَامِهٖ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَرَامِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰی لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ۔

تو پورا پرہیز ضروری ہے اس سے (تقدیر میں گھسنے سے) باعتبار نظر اور فکر اور وسوسہ کے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کے علم کو اپنی مخلوق سے چھپایا ہے

اور ان کو اس کی طلب سے روک دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ جو کچھ کرے اس سے باز پرس نہیں کیجا سکتی اور لوگوں سے باز پرس ہوگی۔

تنبیہ :۔ الحذر کے اوپر فتح ہے اور یہ احذر فعل کا مفعول مطلق ہے۔ اور کل الحذر اس کی تاکید ہے اور نظراً وفکراً و وسوسۃً تمیز ہے اور ابہام نسبت کو دور کرنے کیلئے ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی اذا کان الامر کذلک فاحذر حذراً کل الحذر الخ اس صورت میں فالحذر کو منصوب پڑھنا ہوگا اور فعلیکم کو مقدر مان کر فالحذر کو مرفوع بھی پڑھا جاسکتا ہے اور کل الحذر اس کی تاکید ہوگی مگر اول مناسب ہے واللہ اعلم بالصواب۔

فَمَنْ سَاَلَ لِمَ فَعَلَ فَقَدْ رَدَّ حُکْمَ الْکِتَابِ وَمَنْ رَدَّ حُکْمَ الْکِتَابِ کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ ۔

پس جس نے سوال کیا یہ کیوں کیا؟ تو اس نے کتاب کے حکم کو رد کر دیا اور جس نے کتاب کے حکم کو رد کر دیا وہ کافرین میں سے ہوگیا۔

کیونکہ عبودیت اور ایمان باللہ کی بنیاد تسلیم پر ہے اور اوامر و نواہی کی حکمت اور سر کی تفاصیل نہ پوچھنے پر ہے، لہذا جو تسلیم وانقیاد کو ترک کریگا وہ کافر ہے۔

فَهٰذِهٖ جُمْلَةُ مَا یَحْتَاجُ اِلَیْهِ مَنْ هُوَ مُنَوَّرٌ قَلْبُهٗ مِنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَهِیَ دَرَجَةُ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ لِاَنَّ الْعِلْمَ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِی الْخَلْقِ مَوْجُوْدٌ وَعِلْمٌ فِی الْخَلْقِ مَفْقُوْدٌ فَاِنْکَارُ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ کُفْرٌ وَادِّعَاءُ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ کُفْرٌ وَلَا یَصِحُّ الْاِیْمَانُ اِلَّا بِقَبُوْلِ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ وَتَرْكِ

## طَلَبِ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ۔

پس یہ تمام وہ باتیں ہیں جن کا محتاج ہے وہ شخص جس کا دل منور ہو اللہ کے اولیاء میں سے اور یہی راسخین فی العلم کا درجہ ہے اس لئے کہ علم دو ہیں ایک علم مخلوق میں موجود ہے اور ایک علم مخلوق میں مفقود ہے تو علم موجود کا انکار کفر ہے اور علم مفقود کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور ایمان صحیح نہ ہوگا مگر علم موجود کو قبول کرنے سے اور علم مفقود کی طلب کو ترک کرنے سے۔

مصنفؒ نے ھٰذہٖ سے ان اعتقادات کی جانب اشارہ فرمایا ہے جن کا ماقبل میں ذکر آچکا ہے یعنی وہ مذکورہ باتیں جن پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے یہ باتیں ایسی ہیں جن کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا اس لیے وہ اولیاء اللہ جن کے قلوب منور ہوتے ہیں وہ ان کے ماننے کی جانب محتاج ہیں اور راسخین فی العلم کا یہی کام ہے کہ وہ ان جیسے تمام امور کو مانتے ہیں اور اس کی تفصیل کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔

علم موجود سے مراد علم شریعت ہے ظاہر ہے جو اس کا منکر ہوگا وہ کافر ہے۔ اور علم مفقود سے مراد علم القدر ہے اور ظاہر ہے جو علم غیب کا مدعی ہوگا وہ کافر ہے جو لوگ غیر اللہ کو عالم الغیب کہتے ہیں ان مضامین میں ان کو گہرائی کے ساتھ غور کرلینا چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سبق نمبر ۱۰

قرآن کریم میں لوح محفوظ اور قلم کا ذکر ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ لوح محفوظ میں اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے مقادیر خلائق کو لکھا ہے اور قلم سے لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم فرمایا کہ لکھدے قلم نے عرض کیا اے پروردگار کیا لکھوں حکم ہوا قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب لکھدے، لہٰذا اس قلم پر اور لوح محفوظ پر

ہم ایمان رکھتے ہیں۔

تنبیہ (۱) پھر علماء کا اختلاف ہے کہ لوح محفوظ کو اللہ نے پہلے پیدا فرمایا یا قلم کو اس میں دو قول ہیں (۱) عرش پہلا ہے اور قلم بعد میں پیدا ہوا (۲) اس کے برعکس،، اور روایات سے دونوں کی تائید ہوتی ہے اور بعض علماء نے دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق بھی دی ہے اور عرش کو مخلوق اول ثابت کیا ہے

تنبیہ (۲): احادیث سے چار قلموں کا پتہ چلتا ہے (۱) قلم اول جس نے تمام مخلوقات کو لکھا ہے یعنی لوح محفوظ میں جس نے سب کچھ لکھا ۔ (۲) دوسرا وہ قلم جس نے اعمال بنی آدم کو لکھا اور ان کے رزقوں کو اور آجال کو لکھا اور انکی سعادت و شقاوت کو یہ خلق آدم علیہ السلام کے بعد ہوا تو یہ قلم بھی عام ہے مگر اولاد آدم کے لئے ہے۔

(۳) تیسرا وہ قلم ہے جو جب کام کرتا ہے جب بچہ رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس میں روح ڈالدی جاتی ہے تو فرشتہ بحکم خداوندی اس کا رزق اور اجل اور عمل اور شقاوت وسعادت کو لکھتا ہے۔

(۴) بندہ جب بالغ ہوجاتا ہے تو کراما کاتبین اسکے اعمال لکھتے ہیں۔

بہرحال لوح محفوظ اور قلم پر ہمارا ایمان ہے اور قلم نے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا اس پر ہمارا ایمان ہے اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

---

وَنُؤْمِنُ بِاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ وَبِجَمِيعِ مَا قَدْ رُقِمَ۔

اور ہم ایمان رکھتے ہیں لوح و قلم پر اور تمام ان باتوں پر جو قلم نے لکھی ہیں، پھر ماقبل میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ فیصلہ خداوندی اٹل ہے تو اس سے خود بخود یہ بات معلوم ہو گئی کہ بحکم خداوندی قلم نے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہے اگر ساری مخلوق یہ کوشش کرے کہ جس چیز کے بارے میں قلم نے لکھا ہے کہ یہ ہوگی اور مخلوق چاہے کہ نہ ہو تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور جس چیز کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نہیں ہوگی تو ساری مخلوق کی کوشش سے وہ ہو نہیں سکتی۔

اور اسی تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ جو حالت انسان کو لاحق ہوتی ہے یا تو راحت و سرور یا رنج وغم جو اس کو پہونچا ہے وہ کسی تدبیر سے زائل ہونے والا نہیں تھا اور جو انسان کو نہیں پہونچا وہ کسی تدبیر سے اس کو پہونچ نہیں سکتا تھا کیونکہ تقدیر خداوندی اٹل ہے محکم ہے مبرم ہے جس کے ٹوٹنے بدلنے کا کوئی احتمال نہیں نہ کوئی اس کو اپنے وقت سے مؤخر کر سکتا ہے اور نہ اس میں کمی اور اضافہ کر سکتا ہے بلکہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اس کے فیصلہ کے ماتحت ہوتا ہے اور اس کا خالق اللہ ہی ہوتا ہے بغیر خلق باری کے کوئی چیز معرض ظہور میں نہیں آسکتی اور خلق وکسب کے درمیان فرق پہلے معلوم ہو چکا ہے اور وہیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ خلق وتکوین بہر حال حسن ہی حسن ہے اسیکو امام طحاوی فرماتے ہیں۔

فَلَوِ اجْتَمَعَ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ كَتَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِ أَنَّهُ كَائِنٌ لِيَجْعَلُوْهُ غَيْرَ كَائِنٍ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا كُلُّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ فِيْهِ لِيَجْعَلُوْهُ كَائِنًا لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ۔

پس اگر جمع ہو جائے پوری مخلوق کسی ایسی شئی پر جس کو اللہ تعالیٰ نے لکھدیا ہے کہ یہ ہوگی تاکہ وہ (مخلوق) اس کو نہ ہونے والی بنا دے تو وہ اس پر قادر نہ ہوں گے اور اگر ساری مخلوق کسی ایسی چیز پر جمع ہو جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس میں نہیں لکھا تاکہ وہ (مخلوق) اس کو ہونے والی بنا دے تو وہ اس پر قادر نہ ہوں گے۔

جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

قلم خشک ہو چکا ہے اس چیز کے سلسلہ میں جو قیامت تک ہونیوالی ہے یعنی قلم لکھ کر فارغ ہو چکا ہے اب کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا اور جو لکھا ہے وہ ہو کر

رہے گا۔

وَمَا أَخْطَأَ الْعَبْدَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ وَمَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ۔

اور جو چیز بندہ سے چوک گئی (یعنی اس تک نہیں پہونچی) وہ اس کو پہونچ نہیں سکتی تھی اور جو چیز اس کو پہونچی ہے وہ اس سے چوک نہیں سکتی تھی۔

وَعَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى سَبَقَ عِلْمُهُ فِي كُلِّ كَائِنٍ مِنْ خَلْقِهِ فَقَدَّرَ ذٰلِكَ بِمَشِيَّتِهِ تَقْدِيرًا مُبْرَمًا لَيْسَ لَهُ نَاقِضٌ وَلَا مُعَقِّبٌ وَلَا مُزِيلٌ وَلَا مُغَيِّرٌ وَلَا مُحَوِّلٌ وَلَا زَائِدٌ وَلَا نَاقِصٌ مِنْ خَلْقِهِ فِي سَمٰوَاتِهِ وَأَرْضِهِ۔

اور بندہ پر لازم ہے کہ اس بات کو جانے کہ اللہ تعالیٰ اس کا علم مقدم ہو چکا ہے اس کی مخلوق میں ہر ہونے والی چیز میں تو اس نے اس کو متعین کر دیا اپنی مشیت سے ایسی تقدیر کے ساتھ جو مبرم ہے جس کو نہ کوئی توڑ سکتا ہے اور نہ کوئی ملتوی کرنے والا ہے اور نہ کوئی زائل کرنے والا ہے اور نہ کوئی ادلنے اور بدلنے والا ہے اور نہ کوئی اضافہ کرنیوالا ہے اور نہ کوئی گھٹانیوالا ہے۔

تنبیہ:۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ یہ تقسیم کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں مبرم اور معلق خلاف تحقیق ہے تقدیر مبرم ہی ہوتی ہے جس کے بدلنے کا کوئی سوال نہیں اور پھر بھی بندہ کا مکلف ہونا درست ہے کیونکہ مدارِ تکلیف موجود ہے۔

## وَلَا يَكُوْنُ مُكَوَّنٌ اِلَّا بِتَكْوِيْنِهٖ وَالتَّكْوِيْنُ لَا يَكُوْنُ اِلَّا حَسَنًا۔

اور نہیں ہوتا کوئی مکوّن مگر اس کی تکوین سے اور تکوین نہیں ہوتی مگر حسن۔
یعنی جو چیز مکوّن و مخلوق ہوگی اس کی تکوین سے ہوگی اور خلق ہر چیز کا حسن ہوتا ہے بخلاف کسب کے۔

تنبیہ :۔ ملا علی قاری نے مرقاۃ صفحہ ۱۲۶ جلد ۱ پر ہر ہونے والی چیز کو لوح محفوظ میں لکھنے کی حکمت بیان کی ہے اور تقدیر مبرم و معلق سے گفتگو کی ہے جس کا آل وہی ہے جو فقیر نے عرض کیا ہے۔

یہ مذکورہ تمام باتیں ایمان کے عقائد ہیں اور معرفت کے اصول ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا اعتراف ہے لہذا ان تمام باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ توحید کی جڑ میں پختگی نہیں آسکتی کیونکہ تقدیر کے متعلق فرمانِ خداوندی یہی ہے جو بیان کیا گیا، اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

## وَذٰلِكَ مِنْ عَقَائِدِ الْاِيْمَانِ وَاُصُوْلِ الْمَعْرِفَةِ وَالْاِعْتِرَافِ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَرُبُوْبِيَّتِهٖ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔

اور یہ مذکورہ باتیں ایمان کے عقائد میں سے ہیں اور معرفت کے اصول میں سے ہیں اور اللہ کی توحید اور ربوبیت کے اعتراف کے اصول میں سے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور پیدا کیا اس نے ہر چیز کو پھر اس کو ناپ کر ٹھیک کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ہے اللہ کا حکم مقرر ازل۔

تنبیہ :۔ یعنی اللہ کا فیصلہ اٹل ہے اس کے یہاں جو بات طے ہو چکی ہے

وہ ضرور ہو کر رہتی ہے، آیات مذکورہ کے متعلق ماقبل میں اختصاراً عرض کیا جا چکا ہے "۔

تنبیہ[2]:۔ یہاں عقیدۃ الطحاوی کے نسخوں میں عبارت اس طرح ہے وذلك من عقد الایمان، شرح العقائد الطحاویہ کے حاشیہ میں لکھا ہے فی الاصل، عقائد، مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے جو نسخہ ہے اس میں عقائد ہے،، اور جن نسخوں میں عقد ہے تو وہ بھی درست ہے کیونکہ عقد کے معنی پختہ کرنے کے ہیں اور عقائد کے ذریعہ ہی ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔

اور عقائد عقیدہ کی جمع ہے والعقیدۃ ما یقصد به الاعتقاد دون العمل كعقيدة وجود الله وبعثة الرسل ،، جیسے انسان بیمار ہوتا ہے اور اچھا ہوتا ہے اور زندہ رہتا ہے اور مرتا ہے یہی دل کا حال ہے کبھی درست ہے تو کبھی بیمار کبھی زندہ ہے تو کبھی مُردہ ،،نصوص میں قلب کی موت وحیات اور مرض کا ذکر ہے اور دل کا مرض دو قسم کا ہوتا ہے ایک مرض شہوت دوسرے مرض شبہہ اور ان دونوں میں زیادہ گھٹیا مرض، مرض شبہہ ہے اور شبہہ میں بھی سب سے گھٹیا شبہہ تقدیر کے مسئلہ میں شبہہ کرنا ہے اور بسا اوقات قلب بیماری کے اس مقام تک پہونچ جاتا ہے کہ وہ مردہ ہو جاتا ہے اور دل والا چونکہ اس کی صحت کے اسباب کی معرفت سے غفلت کرتا ہے اور اعراض کرتا ہے اسلئے اس کو اسکے بیمار ہونے اندر مرنے کا شعور نہیں ہو پاتا اور قلب کے مرنے کی علامت یہ ہے کہ بڑی سے بڑی قبیح حرکت کے صادر ہونے پر بھی اس کو کوئی احساس نہیں ہوتا بسا اوقات اس کو دل کے مرض کا شعور ہو جاتا ہے مگر اس کا مرض اتنا شدید ہو چکا ہوتا ہے کہ جس کے لیئے کڑوی دواؤں کا استعمال ضروری ہوتا ہے تاکہ مرض کا ازالہ ہو سکے مگر مریض ان ادویہ کے تحمل سے گھبراتا ہے جس کی وجہ سے علاج نہیں ہو پاتا کیونکہ معالجہ میں کڑوی دوا خواہشات نفسانی سے بچنا ہے جو نفس کو شاق گذرتا ہے، (اے اللہ تعالیٰ قلب کے امراض سے ہماری حفاظت فرما)

بہر حال تقدیر کے مسئلہ میں جو خواہ مخواہ اناپ شناپ ہانکے گا تو یہ گو یا تقدیر

کے سلسلہ میں اللہ سے جھگڑا کر رہا ہے یا تقدیر کی کھوج میں لگا ہوا ہے تو یہ اس کے دل کے بیمار ہونے کی علامت ہے اور اپنے اوہام و خیالات سے جو غیب کی جستجو میں ہے تو وہ گنہگار بھی ہے اور من گھڑت بکواس کرنیوالا بھی ہے اسی کو امام طحاوی بہت جامع الفاظ اور فصیح و بلیغ پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِمَنْ صَارَ لِلّٰهِ فِي الْقَدْرِ خَصِيْمًا وَّاَحْضَرَ لِلنَّظْرِ فِيْهِ قَلْبًا سَقِيْمًا لَقَدِ الْتَمَسَ بِوَهْمِهِ فِي فَحْصِ الْغَيْبِ سِرًّا كَتِيْمًا وَّعَادَ بِمَا قَالَ فِيْهِ اَفَّاكًا اَثِيْمًا۔

پس ہلاکت ہے اس شخص کیلئے جو تقدیر کے اندر اللہ سے جھگڑا کرنے والا ہو گیا، اور جس نے تقدیر میں غور و فکر کے لیئے بیمار دل کو حاضر کیا (لگایا)، یقیناً اس نے غیب کی جستجو میں اپنے وہم کے ذریعہ چھپے ہوئے راز کو تلاش کیا اور لوٹا وہ اس بات کے ساتھ جو اس نے تقدیر کے بارے میں کہی ہے درانحالیکہ جھوٹی بات گھڑنیوالا گنہگار ہے،،

تنبیہ۔ یعنی تقدیر یہ اللہ کا سرّ ہے اور چھپا ہوا راز ہے تو اگر کوئی اس کی جستجو اور تتبع میں لگے گا تو وہ اللہ کے راز پر مطلع ہونے کی سعی میں لگا ہوا ہے لہذا اس کے انجام کی بدحالی ظاہر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

## سبق نمبر ۱۱

قرآن کریم میں اللہ نے اپنی کرسی اور عرش کا ذکر فرمایا اور عرش کا بکثرت ذکر ہے متعدد آیات میں اس کا ذکر ہے لہذا ہم ان دونوں کو حق سمجھتے ہے

اوران کے ثبوت پر ایمان رکھتے ہیں مگر کسی کو اس پر یہ شبہہ نہ ہو کہ اللہ تعالےٰ کرسی پر یا عرش پر بیٹھتے ہیں کیونکہ یہ تو محتاجوں کا کام ہے اور اللہ بے نیاز ہے سب چیزیں اس کی محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور سب چیزوں کو محیط ہے اور سب سے اوپر ہے لہذا کوئی اس کا احاطہ نہیں کرسکتا ورنہ محاط کا محیط ہونا لازم آئے گا جو اجتماع ضدین کو مستلزم ہے جس کا استحالہ مسلم ہے اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَالْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ حَقٌّ كَمَا بَيَّنَ اللهُ تَعَالٰى فِي كِتَابِهِ

وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُوْنَهٗ مُحِيْطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ

وَفَوْقَهٗ وَقَدْ عَجَزَ عَنِ الْاِحَاطَةِ خَلْقُهٗ۔

اور عرش اور کرسی حق ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور وہ عرش اور غیر عرش سے مستغنی ہے ہر چیز کو محیط ہے اور ہر چیز کے اوپر ہے اور اس کی مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔

**تنبیہ** (۱) :۔ قرآن میں استواء علی العرش کا ذکر ہے اور یہاں کہا گیا ہے کہ وہ عرش سے مستغنی ہے تو اولاً یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی صفات وافعال کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ نصوص قرآن وحدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کے بیان کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں ان میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً حی، سمیع، بصیر، متکلم وغیرہ صفات اللہ نے اپنے لئے بیان کی ہیں اور انسان کے لئے بھی یہ الفاظ بولے جاتے ہیں اور نصوص کے اندر بھی اطلاق ہے تو ان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے، کسی مخلوق کو سمیع و بصیر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں، اب اس میں دو چیزیں ہوئیں، ایک وہ آلہ جسے آنکھ کہتے ہیں

اور جو دیکھنے کا ذریعہ اور مبداء بنتا ہے ، دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض وغایت (دیکھنا) یعنی وہ خاص علم جو رویت بصری سے حاصل ہوا مخلوق کو جب بصیر، کہا گیا تو یہ مبدأ اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوئیں، اور دونوں کی کیفیات ہم نے معلوم کرلیں ، لیکن جب یہی لفظ خدا کی نسبت استعمال کیا گیا ، تو یقیناً وہ مبادی اور کیفیاتِ جسمانیہ مراد نہیں ہوسکتیں جو مخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جن سے خدا وندِ قدوس قطعاً منزہ ہے ، البتہ یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ ابصار (دیکھنے) کا مبدأ اس کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہوسکتا ہے اس کو بدرجۂ کمال حاصل ہے ، آگے یہ کہ وہ مبدأ کیسا ہے۔ اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے تو بجز اس بات کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں، لیس کمثلہ شیٔ،

نہ صرف سمع وبصر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبدأ اور غایت کے ثابت ہے ، مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کیجاسکتی ، اور نہ شرائع سماویہ نے اس کا مکلف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کی ماوراء عقل حقائق میں خوض کرکے پریشان ہو اسی طرح استواء علی العرش کو بھی اسی قاعدہ سے سمجھنا چاہیئے ، عرش کے معنیٰ تخت اور بلند مقام کے ہیں استواء کا ترجمہ اکثر محققین نے استقرار وتمکن سے کیا ہے گویا یہ لفظ تختِ حکومت پر ایسی طرح قابض ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ حیطۂ نفوذ واقتدار سے باہر نہ رہے اور نہ قبضہ وتسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑی پائی جائے سب کام اور انتظام برابر ہو اب دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کا ایک تو مبدأ اور ظاہری صورت ہوتی ہے ، اور ایک حقیقت یا غرض وغایت یعنی ملک پر پورا تسلط واقتدار اور نفوذ وتصرف کی قدرت حاصل ہونا ہے حق تعالیٰ کے استواء علی العرش میں یہ حقیقت اور غرض وغایت بدرجۂ کمال موجود ہے یعنی آسمان وزمین (کل علویات وسفلیات) کو پیدا کرنے کے بعد ان پر کامل قبضہ واقتدار اور ہر قسم کے مالکانہ وشہنشاہانہ تصرفات کا حق بے روک ٹوک اسی کو حاصل ہے ۔

تنبیہ ۲ :۔ بعض مفسرین نے کرسی کو عین عرش کہا ہے مگر یہ جمہور محققین کے خلاف ہے مظہری ص ۲۳۲ ج ۱ پر اس سلسلہ میں اقوال مختلفہ پیش کئے گئے ہیں۔

فرق ضالہ میں سے ایک فرقہ معتزلہ ہے ان کا خیال ہے کہ محبت و دوستی محب اور محبوب کے درمیان مناسبت کی بنیاد پر ہوتی ہے اور قدیم و حادث میں کوئی جوڑ نہیں لہذا انھوں نے اس کا انکار کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہوں یا موسیٰ کلیم اللہ ہوں یا آنحضرت حبیب اللہ ہوں اور فلاسفہ اور جہمیہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں مگر قرآن کریم میں ابراہیم کے خلیل اللہ اور موسیٰ کے کلیم اللہ ہونے کا ذکر ہے اس وجہ سے ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ تو حضرت مصنفؒ ان فرق ضالہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

**وَنَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَكَلَّمَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا اِيْمَانًا وَتَصْدِيْقًا وَتَسْلِيْمًا۔**

اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور موسیٰ سے کلام کیا ایمان اور تصدیق اور تسلیم کے ساتھ کہتے ہیں۔

تنبیہ ۱ :۔ اس خیال فاسد کا مخترع اول جعد بن درہم ہے خالد بن عبد اللہ القسری نے جو عراق کے امیر تھے اس کو اسی جرم میں عید الاضحیٰ کے دن ذبح کر دیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ کی محبت دوستی اس کی شان کے مطابق ہے جیسے اس کی تمام صفات کا حال ہے۔

تنبیہ ۲ :۔ بنص حدیث ثابت ہے کہ خلت مشترک ہے ابراہیم علیہ السلام اور آنحضرت کے درمیان اور محبوب ہونا عام ہے وہ آنحضرتؐ کا وصف مخصوص نہیں آیات کثیرہ اس عموم پر دال ہیں مثلاً واللہ یحب المحسنین شاید آنحضرتؐ سید المحبوبین ہونے کی وجہ سے اس لقب سے ملقب ہوئے ہیں (دقیہ ما فیہ)

پھر جہاں بہت سی باتوں کو ماننا ایمان کے لیے ضروری ہے فرشتوں پر اور اللہ کے تمام رسولوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور تمام انبیاء

کو برحق سمجھنا بھی ضروری ہے خلاصۂ کلام ایمان کے ارکان سات ہیں (۱) اللہ پر ایمان لانا (۲) فرشتوں پر ایمان لانا (۳) تمام رسولوں پر ایمان لانا (۴) اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان لانا (۵) آخرت کے دن پر ایمان لانا (۶) تقدیر پر ایمان لانا (۷) جنت اور جہنم پر ایمان لانا۔ آگے ان ارکان سبعہ کی مزید تفصیل حضرت مصنفؒ فرمائیں گے اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَنُؤْمِنُ بِالْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَنَشْهَدُ اَنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ۔

اور ہم ایمان رکھتے ہیں فرشتوں پر اور نبیوں پر اور ان کتابوں پر جو رسولوں پر نازل کی گئی ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمام انبیاء واضح حق پر تھے۔

تنبیہ:۔ فلاسفہ حمقاء ان تمام باتوں کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ نصوص میں تحریف کرتے ہیں۔

ایمان اور اسلام میں کیا نسبت ہے ہم اس کی تفصیل شرح عقائد کی شرح میں بسط سے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں امام طحاویؒ دونوں کے ترادف کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں۔

جو شخص مسلمان ہے جب تک کہ وہ ضروریاتِ دین کا منکر نہ ہو کسی گناہ کو حلال نہ جانتا ہو اگر گناہ کا مرتکب ہو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی ہاں ضروریات دین کا منکر ہو جائے تو اب وہ اہل قبلہ میں سے شمار نہ ہوگا اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَنُسَمِّيْ اَهْلَ قِبْلَتِنَا مُسْلِمِيْنَ مُؤْمِنِيْنَ مَا دَامُوْا بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْتَرِفِيْنَ وَلَهُ بِكُلِّ مَا قَالَهُ وَاَخْبَرَ مُصَدِّقِيْنَ

اور ہم اپنے قبلہ والوں کا نام مسلمین مومنین رکھیں گے جب تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی بات کے معترف رہیں گے اور آپ کی کہی ہوئی اور خبر دی ہوئی بات کی تصدیق کریں گے۔"

پھر یہ امر بھی واضح ہے لا یحد ولا یتصور لہذا اس کی ذات میں غور وخوض کرنا اپنے منصب کو فراموش کرنا ہے لہذا ہم اللہ کی ذات میں غور وخوض نہ کریں گے اور نہ ہم اللہ کے دین میں جھگڑا کریں گے یعنی اہل حق سے مخاصمت نہیں کریں گے کیونکہ یہ دعوت الی الباطل کی قبیل سے ہے اور فساد دین ہے تلبیس ہے دھوکہ ہے اور جیسے فرق باطلہ میں بعض نے قرآن کریم کے بارے میں جھگڑا اور جدال شروع کر دیا ہے ہم قرآن کے بارے میں کوئی جھگڑا نہیں کریں گے بلکہ بطرز اسلاف اس کو رب العلمین کا کلام مانیں گے اور یہ مانیں گے کہ یہ قرآن بذریعہ وحی حضرت جبرئیلؑ کے واسطہ سے نازل ہوا ہے اور ہم اس کو کلام اللہ کہیں گے اور اس کو مخلوق کہکر جماعت مسلمین (اہل حق) کی مخالفت نہیں کریں گے اور ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ قرآن کے مساوی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ معجزہ ہے، اسی کو مصنفؒ فرماتے ہیں۔

وَلَا نَخُوْضُ فِی اللّٰہِ وَلَا نُمَارِیْ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ وَلَا نُجَادِلُ فِی الْقُرْاٰنِ وَنَشْهَدُ اَنَّهٗ كَلَامُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ فَعَلَّمَهٗ سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَكَلَامُ اللّٰهِ لَا يُسَاوِيْهِ شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَلَا نَقُوْلُ بِخَلْقِهٖ وَلَا نُخَالِفُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔

اور ہم اللہ کی ذات میں غور وخوض نہیں کریں گے، اور اللہ کے دین میں جھگڑا نہیں

کریں گے اور قرآن میں جدال نہیں کریں گے اور ہم یہ گواہی دیں گے کہ یہ رب العلمین کا کلام ہے جس کو روح امین (جبرئیل) لیکر اترے پھر اس کو سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین کو سکھایا اور مخلوقین کا کلام اللہ کے کلام کے مساوی نہیں ہوسکتا اور ہم اس کے مخلوق ہونے کے قائل نہیں ہیں اور ہم جماعتِ مسلمین کی مخالفت نہیں کریں گے۔۔

تنبیہ(۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو قرآن کو مخلوق کہتا ہے وہ جماعتِ مسلمین کی مخالفت کرتا ہے۔

تنبیہ(۲) :۔ حضرت جبرئیل کی تعلیم قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار حقائق کا انکار ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# سبق نمبر ۱۲

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج ہے مگر کافر نہیں ہے اور خوارج کا مذہب یہ ہے کہ وہ کافر ہے اور مرجیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ بھی مضر نہیں ہے،، مگر تینوں مذہب غلط ہیں نصوص سے تینوں کی تردید ہوتی ہے (والبسط فی جواہر الفرائد) لہذا ہم یہ مذہب رکھتے ہیں کہ اہلِ قبلہ میں سے اگر کوئی کسی قسم کا گناہ کرے تو وہ گنہگار رہے گا مگر ایمان سے خارج نہیں ہے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں ہے، اور جونکو کار اہلِ ایمان ہیں تو ہم ان کے بارے میں یہ امید رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگذر کا معاملہ فرمائے گا،، اور اللہ کے مکر اور داؤ سے بے خوف ہونا کفر ہے اور اس کی رحمت سے نا امید ہونا بھی کفر ہے اور نہ کسی کے بارہ میں متعین طریقہ پہ جنت کی گواہی دیجاسکتی ہے اسلئے کہ قطعیت کا ہم کو علم نہیں ہے اور جو اہلِ ایمان خطاکار ہیں ہم ان کے لئے استغفار کریں گے اور خوف بھی کریں گے اور کسی کو نا امید نہیں بنائیں گے اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں۔

وَلَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ، وَلَا نَقُولُ لَا يَضُرُّ مَعَ الْإِيمَانِ ذَنْبٌ لِمَنْ عَمِلَهُ، وَنَرْجُوا لِلْمُحْسِنِينَ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَلَا نَأْمَنُ عَلَيْهِمْ وَلَا نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ وَنَسْتَغْفِرُ لِمُسِيئِهِمْ وَنَخَافُ عَلَيْهِمْ وَلَا نُقَنِّطُهُمْ۔

اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کریں گے جب تک کہ وہ اس کو حلال نہ سمجھے اور ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں اس شخص کے لیے جس نے گناہ کیا اور ہم نیکوکاروں کے لیے یہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ ان کو معاف کر دے گا اور ہم ان پر بےخوف نہیں ہیں اور نہ ہم ان کے لیے جنت کی گواہی دیتے ہیں اور ہم مسلمانوں میں سے بدکاروں کے لیے استغفار کریں گے اور ان پر خوف رکھیں گے اور انکو مایوس نہیں کریں گے۔

اس تقریر سے یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ امن و یاس (بےخوفی اور ناامیدی) دونوں اسلامی طریقے نہیں ہیں بلکہ اہل اسلام کا حق راستہ ان دونوں کے بین بین ہے عذاب الٰہی کا خوف بھی ہو اور اللہ کی رحمت کی امید بھی ہو اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں۔

وَالْأَمْنُ وَالْإِيَاسُ يَنْقُلَانِ عَنْ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ وَسَبِيلُ الْحَقِّ بَيْنَهُمَا لِأَهْلِ الْقِبْلَةِ۔

اور امن اور یاس دونوں ایسے راستے ہیں جو ملتِ اسلام کے غیر ہیں اور اہل قبلہ کا حق راستہ ان دونوں کے درمیان ہے۔

ماقبل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کریں گے تو اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ ضروریاتِ دین کا انکار کئے بغیر بندہ ایمان سے خارج

نہیں ہوتا اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَلَا يَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنَ الْإِيمَانِ إِلَّا بِجُحُودِ مَا أَدْخَلَهُ فِيهِ

اور بندہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا مگر اس چیز کے انکار کرنے کے ساتھ جس نے اس کو ایمان میں داخل کیا تھا۔

یعنی ضروریاتِ دین، مصنفؒ بر بنائے تقریر و تاکید ایک ہی عقیدہ کو مختلف الفاظ و اسلوب میں بیان فرما دیتے ہیں۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو امام ابو حنیفہؒ اور شیخ ابو منصور ماتریدی ایمان کو بسیط مانتے ہیں یعنی اس کی حقیقت محض تصدیق قلبی ہے اور اقرار لسانی اجراء احکام اسلام کے لئے شرط ہے اور محققین کی ایک جماعت ایمان کو مرکب مانتی ہے، پھر مرکب ماننے والوں میں دو فریق ہیں ایک فریق ایمان کو تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کا مجموعہ کہتا ہے یہی امام طحاویؒ نے بیان فرمایا ہے اور دوسرا فریق ایمان کو اشیاء ثلاثہ کا مجموعہ کہتا ہے یعنی تصدیق اور اقرار اور اعمال کا، پھر اس جماعت میں بھی دو فریق ہیں فریق اول اعمال کو اجزاء مکملہ میں سے مانتا ہے اور دوسرا فریق اجزاء مقومہ میں سے اجزاء مکملہ کے قائل اہل حق میں سے محدثین شافعیؒ مالکؒ، احمدؒ، اوزاعیؒ، اسحٰق بن راہویہ، اہل مدینہ اہل ظاہر، اور متکلمین کی ایک جماعت ہے، اور اجزاء مقومہ ماننے والے معتزلہ اور خوارج ہیں، اس فریق کے نزدیک تارکِ اعمال ایمان سے خارج ہے پھر معتزلہ کے نزدیک ابھی کافر نہیں ہوا اور خوارج کے نزدیک کافر ہے مگر مآل اس کا اگر بغیر توبہ کے مرے دونوں کے نزدیک ایک ہے، نیز اہل حق میں جو اختلاف ہے وہ طرف نزاع لفظی ہے اسی لئے کسی کے نزدیک مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج نہیں ہے،

پھر مصنفؒ نے فرمایا کہ ضروریات دین میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ نے جو کچھ قرآن میں نازل فرمایا ہے اس کو حق مانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیان فرمایا ہے اس کو حق مانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا وہ دو قسم کے ارشادات

ہیں (۱) وہ ہے کہ جس میں ایسے احکام جدیدہ کو مشروع فرمایا کہ جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں (۲) وہ ہے جس میں احکام قرآنی کی وضاحت اور تفسیر فرمائی ہے مصنف نے من الشرع والبیان کہہ کر انھیں دونوں قسم کے ارشادات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

**وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالتَّصْدِيقُ بِالْجَنَانِ وَإِنَّ جَمِيعَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ وَجَمِيعَ مَا صَحَّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَيَانِ كُلُّهُ حَقٌّ۔**

اور ایمان وہ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنا ہے اور اس بات کی تصدیق ہے کہ اللہ نے جو کچھ قرآن میں نازل فرمایا ہے اور جو کچھ شرع اور بیان سے رسول اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے وہ سب حق ہے۔

**تنبیہ** امام طحاویؒ وان جمیع الخ سے معتزلہ اور روافض نیز معطلہ اور جہمیہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو قرآن و حدیث کو مفید یقین نہیں کہتے اول کو قطعی الدلالت اور ثانی کو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نہ ہونے کی وجہ سے اور یہ قول باطل ہے اسی لئے مصنفؒ نے اس قول کی تردید ضروری سمجھی۔

پھر جیسے تمام افراد انسانی حیوان ناطق ہونے میں سب برابر کے شریک ہیں اور ان میں امتیاز دیگر عوارض کی وجہ سے ہوتا ہے ایسے ہی تمام مومنین نفس ایمان میں سب برابر ہیں ان میں تفاضل، تقویٰ، اور اخلاص کی زیادتی اور دیگر عوارض کی بنا پر ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حقیقت ایمانی کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتی البتہ متعلقات ایمان یعنی اعمال کمی زیادتی کو قبول کرتے ہیں اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

## وَالْإِيمَانُ وَاحِدٌ وَأَهْلُهُ فِي أَصْلِهِ سَوَاءٌ وَالتَّفَاضُلُ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِيقَةِ بِالتَّقْوَى وَمُخَالَفَةِ الْهَوَى وَمُلَازَمَةِ الْأَوْلَى

اور ایمان واحد ہے اور اہل ایمان اصل ایمان میں برابر ہیں اور حقیقۃ ان کے درمیان تفاضل تقوی اور خواہشات کی مخالفت اور اولی کو لازم پکڑنے کی وجہ سے ہے۔

اور جو مومنین ہیں وہ سب اللہ کے دلی ہیں قرآن نے انہیں اولیاء سے تعبیر فرمایا ہے الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون اس پر دال ہے مگر اللہ کی یہ ولایت بفضل و احسان ہے اور اس کی نوعیت ایسی نہیں ہے جیسے مخلوق میں آپس کی دوستی کی ہوا کرتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد حاجت پر ہے اور اللہ بے نیاز ہے پھر جیسے ایمان میں کمال و نقصان ہوتا ہے ویسے ہی ولایت میں کمال و نقصان ہوتا ہے ولایت کاملہ اہل تقوی کو حاصل ہوتی ہے اور عوام مومنین کو ولایت ناقصہ حاصل ہوتی ہے یعنی درجات ایمان میں تفاوت کے مثل ولایت کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے۔

مومنین میں جو زیادہ متقی ہوگا اور جو قرآن کریم کا زیادہ متبع ہوگا وہی زیادہ مکرم و معزز ہوگا اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں۔

## وَالْمُؤْمِنُونَ كُلُّهُمْ أَوْلِيَاءُ الرَّحْمَنِ وَأَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللهِ أَطْوَعُهُمْ وَأَتْبَعُهُمْ لِلْقُرْآنِ

اور مومنین سب اللہ کے ولی ہیں اور اللہ کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ مکرم ان میں سے قرآن کی زیادہ اطاعت کرنے والا اور زیادہ پیروی کرنیوالا ہے

تنبیہ ،، شرح العقیدۃ الطحاوی جو عرب سے شائع ہوئی ہے اس میں عبارت اس طرح ہے ، دیوبند کے مطبوعہ نسخہ میں اس طرح ہے واکرمھم اطوعھم یالتقی والمعرفۃ واتبعھم للقرآن اور ان میں سے زیادہ مکرم

تقویٰ اور معرفت کے ساتھ ساتھ زیادہ اطاعت کرنے والا اور قرآن کی زیادہ پیروی کرنے والا ہے دونوں نسخوں کا حاصل قریب قریب ایک ہے دوسرے نسخے سے ظاہراً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اطاعت اطاعت محضہ نہ ہو بلکہ تقویٰ اور معرفت کے ساتھ ہو،، مگر حقیقی اطاعت بغیر تقویٰ اور معرفت کے نہ ہو گی بہرحال مدار اکرام قومیت اور وطنیت پر نہیں بلکہ تقویٰ پر ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔

ایمان کے ارکان ارکانِ سبعہ جن کا ماقبل میں ذکر کیا جاچکا ہے ان کو بیان کیا جاتا ہے کہ ایمان اللہ پر ایمان لانا ہے اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر اور تقدیر پر کہ جو کچھ بھی اچھا اور برا میٹھا اور کڑوا معرض ظہور میں آتا ہے وہ سب اللہ کے فیصلہ اور حکم تکوینی کے ماتحت ہے۔ ان ارکان سبعہ پر ایمان لانا ضروری ہے اور تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ جو کچھ منجانب اللہ لیکر مبعوث ہوئے سب حق ہے،، کیونکہ تفریق بین الانبیاء یعنی کسی پر ایمان لانا اور کسی پر نہ لانا کفر ہے اسلئے ضروری ہوا کہ تمام رسولوں پر ایمان لایا جائے امام طحاوی فرماتے ہیں۔

وَالْاِیْمَانُ ھُوَالْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ وَحُلْوِہٖ وَمُرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَنَحْنُ مُؤْمِنُوْنَ بِذٰلِکَ کُلِّہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ وَنُصَدِّقُ کُلَّھُمْ عَلٰی مَاجَاءُوْا بِہٖ

اور ایمان وہ اللہ پر ایمان لانا ہے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر اور اچھی بری اور میٹھی اور کڑوی تقدیر کے منجانب اللہ ہونے پر اور ہم ان تمام

باتوں پر ایمان رکھتے ہیں ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم تمام نبیوں کی ان کے لائے ہوئے احکام میں تصدیق کرتے ہیں۔

تنبیہ:۔ تقدیر کے خیر و شر اور میٹھا اور کڑوا ہونا بندہ کے اعتبار سے ہے یعنی بندہ کے سامنے جو امور بھی ظاہر ہوتے ہیں اور پیش آتے ہیں خواہ وہ اس کو خوشگوار لگیں یا نہ لگیں مگر وہ احوال سبحانہ اللہ ہیں اور اللہ کے ازلی فیصلہ کے ماتحت ہیں اسلئے کہ جو کچھ ہو نیوالا تھا اللہ نے ازل ہی میں لکھ دیا ہے اور چونکہ اللہ کا فعل خلق و تکوین ہے اور خلق و تکوین ہر حال میں حسن ہی ہوتی ہے بخلاف کسب کے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## سبق نمبر ۱۳

اللہ کا یہ اصول مقرر ہے کہ کسی مشرک و کافر کی مغفرت نہیں کیجائیگی اور کوئی مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں رکھا جائے گا کیونکہ اس کا ارشاد ہے۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ،،، تو اگر مومن ہمیشہ جہنم میں رہے تو اس فرمان کے منافی ہے اور عمل خیر کے ثمرہ کا آخر میں سامنے آنے پر اجماع ہے لہذا معلوم ہوا کہ مومن جنت میں جائے گا اگرچہ کچھ تاخیر ہو جائے اب رہے وہ مومنین جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور اسی حال میں مرجاتے ہیں تو وہ بھی مخلد فی النار نہ ہوں گے اس میں معتزلہ اور خوارج کا اختلاف ہے مگر انکی بات مردود ہے نصوص کے خلاف ہے پھر اللہ چاہے تو گناہ کبیرہ کو معاف کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو گرفت کر سکتا ہے اول اس کا فضل و احسان ہے اور ثانی اس کا عدل ہے، اب رہی گناہ صغیرہ جب کہ آدمی گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے بچا ہو تو ہمارے نزدیک یہاں بھی یہی اصول ہے کہ اللہ معاف کر دے گا بربناء فضل و احسان اور اگر چاہے تو گرفت بھی کر سکتا ہے معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں

کہ صورت مذکورہ میں صغائر پر گرفت نہ ہوگی "۔
بہر حال جو لوگ اہل ایمان میں سے اپنے جرم کی وجہ سے دوزخ میں داخل کئے گئے وہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور جنت میں داخل کئے جائیں گے اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے اور مستحقین شفاعت کی شفاعت سے ورنہ اگر مومن بھی مخلد فی النار ہوگا تو مومن اور کافر میں فرق ہی کیا رہا امام طحاوی فرماتے ہیں

وَاَهْلُ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى النَّارِ لَا يُخَلَّدُوْنَ اِذَا مَاتُوْا وَهُمْ مُوَحِّدُوْنَ وَاِنْ لَمْ يَكُوْنُوْا تَائِبِيْنَ بَعْدَ اَنْ لَقُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَارِفِيْنَ وَهُمْ فِىْ مَشِيَّتِهٖ وَحُكْمِهٖ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ وَعَفَا عَنْهُمْ بِفَضْلِهٖ كَمَا ذَكَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِىْ كِتَابِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ فِى النَّارِ بِقَدْرِ جِنَايَتِهِمْ بِعَدْلِهٖ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ مِنْهَا بِرَحْمَتِهٖ وَشَفَاعَةِ الشَّافِعِيْنَ مِنْ اَهْلِ طَاعَتِهٖ ثُمَّ يَبْعَثُهُمْ اِلٰى جَنَّتِهٖ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ جَلَّ جَلَالُهٗ مَوْلٰى لِاَهْلِ مَعْرِفَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُمْ فِى الدَّارَيْنِ كَاَهْلِ نَكِرَتِهِ الَّذِيْنَ خَابُوْا مِنْ هِدَايَتِهٖ وَلَمْ يَنَالُوْا مِنْ وِلَايَتِهٖ اَللّٰهُمَّ يَا وَلِىَّ الْاِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ مَسِّكْنَا بِالْاِسْلَامِ حَتّٰى نَلْقَاكَ بِهٖ ۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اہل کبائر ہمیشہ جہنم میں نہیں

رہیں گے جب کہ وہ اس حال میں ملیں کہ توحید پر برقرار ہوں، اگرچہ انھوں نے توبہ نہ کی ہو بعد اس کے کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کریں کہ عارف ہوں اور یہ (اہل کبائر) اللہ کی مشیئت اور اس کے حکم کے ماتحت ہیں اگر اللہ چاہے اپنے فضل سے انکی مغفرت کر دے اور معاف کر دے جیسا کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب (قرآن) میں ذکر فرمایا ہے، ویغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء (کفروشرک کے علاوہ جس کیلئے چاہے گا مغفرت کر دے گا) اور اگر اللہ چاہے تو اپنے عدل سے انکی جنایت کے بقدر ان کو عذاب دے پھر اپنی رحمت سے اور اپنے اہل طاعت کی شفاعت سے پھر ان کو جہنم میں سے نکالے پھر انکو جنت میں بھیجدے ،، یہ اس لئے کہ اللہ جل جلالہٗ اپنی معرفت والوں کا مولیٰ (رفیق) ہے اور ان کو (اہل معرفت) اللہ تعالیٰ دارین میں مثل ان اہل نکرت کے نہ کرے گا جو اس کی ہدایت سے محروم رہے اور اس کی ولایت حاصل نہیں کی اے اللہ اسلام اور اہل اسلام کے ولی ہمیں اسلام پر برقرار رکھ یہاں تک ہم اسلام کے ساتھ تجھ سے ملاقات کریں۔

---

تنبیہ:- حضرت مصنفؒ نے بعد ان لقوا اللہ عزوجل عارفین اگر عارفین کے بجائے مؤمنین فرمائے تو زیادہ مناسب ہوتا اسلئے کہ جس کو معرفت حاصل ہو اور حقیقتِ ایمان کا فقدان ہو وہ کافر ہے ابلیس بھی عارف ہے مگر سب سے بڑا کافر ہے اہل کتاب کو معرفت حاصل تھی مگر کافر ہیں ،، اور فرعون اور اکثر کفار کو معرفت حاصل ہے آیاتِ قرآنی اس پر دال ہیں مگر خالص معرفت کا نام ایمان نہیں ہے۔

تنبیہ۲:- اہل معرفت کی ضد اہل نکرت ہے، اول سے مؤمنین اور ثانی سے کفار مراد ہیں اور اگر ان دونوں کا انجام ایک ہوگا تو پھر دونوں میں فرق کیا رہا۔

تنبیہ:- اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی اور رفیق و مددگار ہے کفار کا نہیں فرمانِ باری ہے ذٰلک بان اللہ مولی الذین اٰمنوا وان الکٰفرین لا مولیٰ لھم ، یعنی اللہ تعالیٰ مؤمنین صالحین کا رفیق ہے جو وقت پر انکی

مدد کرتا ہے کافروں کا ولی نہیں ہے کافروں کا ایسا رفیق کون ہے جو اللہ کے مقابلہ پر آسکے غزوہ احد میں میں ابوسفیان نے پکارا تھا لنا العزّیٰ ولا عزّیٰ لکم آپ نے فرمایا کہہ دو واللہ مولانا ولا مولا لکم ۔

تنبیہ ، گناہ کبیرہ کتنی ہیں بعض روایات میں ان کی تعداد منقول ہے اور علماء سے ان کی تعداد کے سلسلہ میں مختلف اقوال منقول ہیں "

اہل حق کے عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ ہم ہر مسلمان کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں خواہ وہ نیک صالح ہو یا فاسق و فاجر ہو رہا کراہت کا مسئلہ جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے وہ الگ ہے ۔ یہاں گفتگو نفس جواز میں ہے لہٰذا مسلمان فاسق و فاجر کے پیچھے اگر نماز پڑھی گئی تو نماز فاسد نہ ہو گی ، دار قطنی میں روایت ہے صلّوا خلف کل بر و فاجر ، ہر نیک و بد (مسلمان) کے پیچھے نماز پڑھو، لہٰذا ہم ہر مسلمان کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں اور ہر مسلمان پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں یہی وجہ تھی کہ صحابہ ایسے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے جو فساق و فجار تھے حضرت ابن عمرؓ حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے تھے ۔

اور ہم کسی کو جنتی اور جہنمی نہ کہیں گے اور نہ کسی کو مشرک و کافر و منافق کہیں گے مگر یہ کہ اس سے افعال شرک و کفر وغیرہ ظاہر ہوں اور اللہ اہل قبلہ کے ساتھ کیا معاملہ فرمائیں گے ہم اس کو اللہ کے حوالہ کر دیں گے البتہ نیکو کاروں کے بارے میں معافی کی امید رکھیں گے اور بدکاروں پر خوف کریں گے اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں ۔

وَنَرَى الصَّلٰوةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ

وَعَلٰى مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ وَلَا نُنَزِّلُ أَحَدًا مِنْهُمْ جَنَّةً

وَلَا نَارًا وَلَا نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِكُفْرٍ وَلَا بِشِرْكٍ وَلَا بِنِفَاقٍ مَالَمْ يَظْهَرْ مِنْهُمْ شَيْءٌ مِّنْ ذٰلِكَ وَنَذَرُ سَرَائِرَهُمْ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔

اور ہم اہل قبلہ میں سے ہر نیک و بد کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں اور اس شخص پر (نماز جنازہ کو جائز سمجھتے ہیں) جو اہل قبلہ میں سے مرجائے اور ہم کسی کو اہل قبلہ میں سے جنت اور دوزخ میں نہیں اتاریں گے (یعنی قطعی اس کو جنتی یا دوزخی نہیں کہیں گے) اور ہم ان پر کفر اور شرک اور نفاق کی شہادت نہیں دیں گے جب تک کہ ان میں سے ان سے کوئی چیز ظاہر نہ ہو اور ہم ان کے رازوں کو اللہ کے حوالہ کریں گے۔

تنبیہ۔ ہر مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، فقہاء نے کچھ لوگوں پر نماز جنازہ پڑھنے سے زجراً منع فرمایا ہے (۱) باغی (۲) قطاع طرق (رہزن) جبکہ عین جنگ کے موقع پر قتل کردئے جائیں، اور اگر بعد میں مریں یا قتل کئے جائیں تو ان پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور جس نے خودکشی کی ہو اس پر مفتیٰ بہ قول کے مطابق نماز پڑھی جائے گی، اور اپنے والدین کو قتل کرنے والے پر بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ قاتلِ والدین کو امام نے قصاص میں قتل کیا ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی لیکن اگر وہ اپنی موت مرا ہو تو پھر اس پر نماز پڑھی جائے گی ملاحظہ ہو شامی صفحہ ۵۸۴ ج ۱

اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مسلمان پر ہم تلوار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے ہاں اگر وہ ایسی حرکت کرے جو تلوار اٹھانے کو جائز قرار دیدے تو اور بات ہے یعنی حالتِ احصان میں زنا کرے، یا کسی نفسِ معصوم کو قتل کرے، اور اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت مسلمین کی مخالفت کرے، اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَلَا نَرَى السَّيْفَ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ السَّيْفُ۔

اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کسی پر تلوار کو جائز نہیں سمجھتے ہیں مگر جس پر تلوار واجب ہو گئی ہو، نیز آپس کی تفریق اور پھوٹ بہت بری بلا ہے اس سے اسلام کی قوت کو نقصان پہونچتا ہے اس لئے ہم اپنے حاکموں پر اپنے امور کے منتظمین پر ان کی زیادتی کے باوجود بھی بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ ان کی اطاعت کو ضروری سمجھتے رہیں گے جب تک وہ ایسا حکم نہ کریں جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو کیونکہ لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوقِ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ اور ہم انکی طاعت کو واجب سمجھتے رہیں گے کیونکہ اللہ کا یہی حکم ہے کہ اپنے حاکموں کی اطاعت کرو أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، لہٰذا ہم اپنے حاکموں کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نہیں موڑیں گے اور نہ ہم اپنے حاکموں کے لئے بددعاء کریں گے بلکہ ان کے لئے نیکی اور بہتری اور معافی و درگذر کی دعاء مانگیں گے اور ہم اس مسئلہ میں صحابہؓ اور تابعین کی جماعت کا اتباع کریں گے کہ انھوں نے فاسق حکام کی بھی اطاعت کی ہے اور ہم ایسی بات کہنے سے بچیں گے جو جماعت مسلمین کے خلاف ہو کیونکہ یہ بات شذوذ میں سے ہے جس کا خطرناک ہونا بنص حدیث ظاہر ہے اور ہم وہ راستہ اختیار نہیں کریں گے جو جماعت اسلاف کے خلاف ہو اور ہم اہل عدل اور اہل امانت سے محبت کریں گے اور اہل ظلم اور اہل خیانت سے بغض رکھیں گے، اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَلَا نَرَى الْخُرُوجَ عَلَىٰ أَئِمَّتِنَا وَوُلَاةِ أُمُورِنَا وَإِنْ جَارُوا وَلَا نَدْعُوا عَلَيْهِمْ وَلَا نَنْزِعُ يَدًا مِنْ طَاعَتِهِمْ

وَنَرٰی طَاعَتَهُمْ مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَرِيْضَةً مَالَمْ يَأْمُرُوْا بِمَعْصِيَةٍ وَنَدْعُوْا لَهُمْ بِالصَّلَاحِ وَالْمُعَافَاتِ وَنَتَّبِعُ السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ وَنَجْتَنِبُ الشُّذُوْذَ وَالْخِلَافَ وَالْفُرْقَةَ وَنُحِبُّ اَهْلَ الْعَدْلِ وَالْاَمَانَةِ وَنُبْغِضُ اَهْلَ الْجَوْرِ وَالْخِيَانَةِ۔

اور ہم اپنے اماموں پر اور اپنے امور کے والیوں پر خروج کو (بغاوت کو) جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور نہ ہم ان کے لئے بد دعاء کریں گے اور نہ ہم ان کی اطاعت سے ہاتھ سکیڑیں گے اور ہم اللہ کی اطاعت کی وجہ سے ان کی اطاعت کو فرض سمجھیں گے جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ کریں اور ہم ان کے لئے نیکی اور درستگی کی دعا مانگیں گے اور ہم سنت اور جماعت کا اتباع کریں گے اور شذوذ اور خلاف اور علیحدگی سے بچیں گے اور ہم اہل عدل اور اہل امانت سے محبت رکھیں گے اور اہل ظلم اور اہل خیانت سے بغض رکھیں گے۔

کیونکہ کمال عبودیت کا یہی تقاضہ ہے کہ محبت اہل تقویٰ اور اہل عدل سے ہو اور اس کی ضد سے بغض ہو یہی الحبُّ فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ کا تقاضہ ہے، مگر شریعت نے امام وحاکم کی اطاعت پر بہت زور دیا ہے، اسلئے ائمہ پر خروج کی اجازت نہیں دی۔

تنبیہ۔ آج کل جو وبا عام پھیلی ہوئی ہے کہ مدارس کے ارباب انتظام کے سامنے عجیب عجیب فتنے کھڑے کر دیئے جاتے ہیں یہ بھی خلاف ورزی مذمومہ میں داخل ہے مگر یہ کہ لوگوں کے سامنے ان کے ایسے امور ظاہر ہو جائیں جو واقعۃً خلافِ شریعت ہوں جن سے مسلمانوں کے بگاڑ اور تعلیم کے نظم ونسق کے فساد

فساد کا زبردست اندیشہ لاحق ہو جائے تو مجبوری ہے اور اعتدال کے ساتھ کسی معتدل اصلاحانہ اقدام میں کچھ حرج نہیں اور اصلاح کے قبول نہ کرنے کی صورت میں کسی مثبت پہلو کو اختیار کرنے کی مجبوراً اجازت ہوگی الاان یمنع مانعٌ

اور جن چیزوں کا ہمیں علم نہیں ان کے بارے میں ہم کہدیں گے اللہ اعلم یہی علماء محققین کا طریقہ ہے اور راسخین فی العلم کی سنت ہے یہ مضمون ماقبل میں بھی گذر چکا ہے جہاں مصنفؒ نے فرمایا تھا۔ ماسلم فی دینہ الا من سلّم للہ ولرسولہ ورد ما اشتبہ علیہ الی عالمہ اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں پیش فرماتے ہیں۔

## وَنَقُوْلُ اللّٰہُ اَعْلَمُ فِیْمَا اشْتَبَہَ عَلَیْنَا عِلْمُہٗ۔

اور ہم اللہ اعلم کہیں گے ان چیزوں کے سلسلہ میں جن کا علم ہم پر مشتبہ ہو جائے شیعہ مسح علی الخفین کو جائز نہیں کہتے اور مسح رجلین کے قائل ہیں حالانکہ اجماع امت دونوں صورتوں میں ان کے خلاف ہے اور ہم جماعت سلف صالحینؒ کی مخالفت نہیں کریں گے اور قرآن وحدیث کے احکام کو حق قرار دیں گے وہ روایات جو مسح علی الخفین کے سلسلہ میں وارد ہیں حد تواتر میں ہیں تقریباً ستر صحابہؓ سے اس کی روایات منقول ہیں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے مسح علی الخفین کی روایات جب تک روز روشن کی طرح واضح نہیں ہوئیں جب تک میں اس کے جواز کا قائل نہیں ہوا امام کرخیؒ فرماتے ہیں جو مسح علی الخفین کو جائز نہ سمجھے مجھے اس پر کفر کا اندیشہ ہے کیونکہ اس باب کی روایات حد تواتر میں ہیں اسلئے بعض اسلاف سے منقول ہے کہ اہل سنت والجماعت کی علامت شیخین کو فضیلت دینا اور ختنینؓ سے محبت کرنا اور مسح علی الخفین کو جائز سمجھنا ہے اسی لئے امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

## وَنَرَی الْمَسْحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ فِی السَّفَرِ وَالْحَضَرِ کَمَا جَآءَ

فی الاثر۔

اور ہم سفر اور حضر میں مسح علی الخفین کو جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سبق نمبر ۱۴

اسلام کے ارکان میں سے ایک حج ہے نیز فرائض اسلام میں سے جہاد بھی ہے اور دونوں ایسے فرض ہیں جو قیامت تک کے لئے فرض ہیں کوئی ان کو منسوخ نہیں کر سکتا مگر دونوں کو ادا کرنے کے لئے اہل انتظام کی ضرورت ہے یعنی امیر و حاکم کی ضرورت ہے، حج میں بھی، امیر و حاکم کی ضرورت ہے تاکہ اسکی ماتحتی میں فریضۂ حج ادا کیا جائے اور جہاد کے اندر بھی امیر جہاد کا ہونا ضروری ہے جس کی ماتحتی میں اس فریضہ کو ادا کیا جائے گا، اب سوال یہ ہے کہ اگر امیر حج یا فوج کا سپہ سالار فاسق و فاجر ہو تو کیا ہو؟ تو حکم یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرو اور اس کی ماتحتی میں ان فرائض کو ادا کرو شیعہ چونکہ ان دونوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں اختلاف رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام معصوم کی ضرورت ہے جب حج اور جہاد کیا جائے گا انکا یہ قول باطل تھا اسلئے امام طحاوی انکی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَالْحَجُّ وَالْجِهَادُ مَاضِيَانِ مَعَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُبْطِلُهُمَا شَيْءٌ وَلَا يَنْقُضُهُمَا۔

اور حج اور جہاد دونوں ماضی ہیں (قیامت تک کے لئے جاری ہیں)

مسلمانوں کے ائمہ میں سے ان میں سے نیک اور فاجر حاکموں کے ساتھ قیامت تک ان دونوں کو کوئی شئی باطل نہیں کریگی اور نہ ان دونوں کو توڑے گی

تنبیہ :۔ ان دونوں اُمور میں انتظام کی ضرورت ہے اور انتظام جیسے امام عادل کی طرف سے ہو سکتا ہے فاسق وفاجر بھی اس کا نظم و نسق کرسکتا ہے۔

حضراتِ مفسرین نے فرمایا ہے کہ انسان کے پاس چار فرشتے رہتے ہیں دو اس کے اعمال کو لکھتے ہیں اور دو اس کی حفاظت کرتے ہیں جب تقدیر کا لکھا ہوا امر سامنے آتا ہے تو وہ ہٹجاتے ہیں، اور کاتبین اعمال کو قرآن نے کراماً کاتبین سے تعبیر فرمایا ہے جسکے معنی ہیں عزت والے لکھنے والے پھر اسی نام سے انکو یاد کیا جانے لگا یعنی الکرام الکاتبین کے نام سے یہ دو دو رات میں انسان کے پاس رہتے ہیں اور دو دو دن میں اور فجر اور عصر کی نماز میں دونوں پارٹیوں کی ملاقات ہوتی ہے یعنی آنے والی اور جانے والی دونوں پارٹیاں ان اوقات میں جمع ہو جاتی ہیں تو رات والی پارٹی بعد نماز فجر چلی جاتی ہے اور دن والی بعد نماز عصر چلی جاتی ہے، لہذا ہم کراماً کاتبین پر ایمان رکھتے ہیں اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں۔

**وَنُؤْمِنُ بِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ جَعَلَهُمْ عَلَيْنَا حَافِظِيْنَ۔**

اور ہم کرام کاتبین پر ایمان رکھتے ہیں اور اس بات پر کہ اللہ نے ان کو ہمارے اوپر نگہبان بنایا ہے۔

تنبیہ ۔ ان فرشتوں کا یہ حال ہے کہ نہ خائن ہیں نہ کوئی عمل لکھے بغیر چھوڑتے ہیں نہ ہمارے اعمال اُن سے پوشیدہ ہیں۔

نیز قرآن کریم میں جس ملک الموت کا ذکر ہے جو روح قبض کرنے پر مسلط ہے ہمارا اس پر ایمان ہے، ارشاد باری ہے قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ

وَكُلِّ بِكُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ،، مگر بظاہر اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والے متعدد فرشتے ہیں جیسے فرمان باری ہے حتی اذا جاء احدکم الموت توفته رسلنا وهم لایفرطون ،، مگر اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ قابض الارواح ملک الموت ہیں پھر بعد قبض اس روح کو ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب ان سے لے لیتے ہیں۔
امام طحاویؒ فرماتے ہیں:

وَنُؤْمِنُ بِمَلَكِ الْمَوْتِ الْمُوَكَّلِ بِقَبْضِ أَرْوَاحِ الْعٰلَمِيْنَ

اور ہم موت کے اس فرشتہ پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام عالموں کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہیں۔

نیز عذاب قبر کا ذکر قرآن نے اشارۃً بیان فرمایا ہے اور احادیث کے اندر اسکی تفصیلات موجود ہیں۔ کہ کسی کو قبر میں عذاب ہوگا اور کسی کو خوب راحت ملے گی اور منکر و نکیر قبر میں سوال کریں گے ان کا سوال رب کے اور دین کے اور پیغمبر کے بارے میں ہوگا آنحضرتؐ سے یہ تفصیلات صحت کے ساتھ اور تواتر معنوی کے ساتھ منقول ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت سے یہ روایات منقول ہیں لہذا اس پر ایمان ضروری ہے ،، امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَنُؤْمِنُ بِعَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيْمِهٖ لِمَنْ كَانَ لِذٰلِكَ أَهْلًا وَبِسُؤَالِ مُنْكَرٍ وَّنَكِيْرٍ لِلْمَيِّتِ فِيْ قَبْرِهٖ عَنْ رَّبِّهٖ وَنَبِيِّهٖ وَدِيْنِهٖ عَلٰى مَا جَاءَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ أَصْحَابِهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ۔

اور ہم قبر کے عذاب اور وہاں کی راحت پر ایمان رکھتے ہیں اس شخص کیلئے جو اس کا اہل ہو اور ہم منکر اور نکیر کے سوال پر ایمان رکھتے ہیں میت سے اس کی قبر میں اس کے رب اور اس کے نبی اور اس کے دین کے بارے میں اس تفصیل کے مطابق جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے اخبار (احادیث) وارد ہوئی ہیں:

**تنبیہ:-** رہا یہ مسئلہ کہ کیا سب سے سوال ہوگا؟ اور بدن سے ہوگا! یا روح سے؟ تو ہم اس کو جواہر الفرائد میں بیان کر چکے ہیں اور رہی یہ بات کہ روح کیا چیز ہے؟ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس پر اپنے حاشیہ میں جو شیخ الہند کے ترجمۂ قرآن پر ہے بسط سے روشنی ڈالی ہے وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

بندہ کو دنیا کے بعد اور آخرت سے پہلے عالم برزخ سے واسطہ پڑے گا خواہ وہ قبر میں ہو یا کسی اور جگہ ہو اس سے وہیں سوالات ہوں گے:- اور پھر جیسا اس کا دفتر اعمال ہوگا اس کی روشنی میں بعد حشر کے احوال کا نقشہ اس کے سامنے آئے گا لہذا قبر کسی کیلئے جنت کے باغیچہ کے مثل ہوگی اور کسی کے لئے قبر جہنم کا گڑھا ہوگا۔ اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

---

وَالْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ

اور قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

---

نیز مرنے اور قبر میں چلے جانے پر بس نہیں بلکہ اس کے بعد ایک وقت مقرر پر سب زندہ کر دیے جائیں گے اور اللہ کے حضور میں سب پیش ہوں گے اعمال کی جزاء و سزا سامنے آئے گی ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان تمام امور کو حق سمجھتے ہیں اور حساب بھی ہوگا اور کسی پر فقط عرض ہوگا، عرض کا مطلب

حساب یسیر ہے جس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ بندہ پر اس کی گناہیں ظاہر فرمائیں گے اور اس کو مُقر بنائیں گے اور پھر ستاری کا معاملہ فرمائیں گے اور کسی کے ساتھ حساب میں سختی ہوگی اور یہ دونوں باتیں اس کے فضل اور عدل کے ماتحت ہیں نیز سب لوگ اپنے اعمال ناموں کو پڑھیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں اس کا دفتر اعمال پکڑایا جائے گا اور کسی کو بائیں ہاتھ میں جس قسم کے اعمال ہوں گے ویسے ہی ثمرات ان پر مرتب ہوں گے یا ثواب و جزاء یا عقاب و سزا نیز جہنم کی پشت پر ایک پل ہوگا جس کے اوپر سے سب کو گذرنا ہوگا اہل جنت علی حسب درجات اسکو پار کر کے آگے پہنچ جائیں گے یعنی جنت میں اور مستحق نار کٹ کر نیچے گر جائیں گے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں پھر میزان عدل پر بھی ہم ایمان رکھتے ہیں یعنی اعمال تولے جائیں گے اور تولنے کیلئے ترازو قائم کیجائے گی۔ بعث کی حقیقت یہ ہے کہ اجسام کو زندہ کر کے انکو میدانِ محشر میں جمع کر دیا جائے گا یہ حق ہے اس پر ہمارا ایمان ہے قرآن کریم اور احادیث میں ان تمام امور کے حق ہونے کے دلائل بکھرے ہوئے ہیں، جن کی تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے (جواہر الفرائد میں ہم نے اس کی تفصیل بیان کی ہے) امام طحاوی فرماتے ہیں۔

وَنُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ وَجَزَاءِ الْاَعْمَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالْعَرْضِ وَالْحِسَابِ وَقِرَاءَةِ الْكِتَابِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالصِّرَاطِ وَالْمِيْزَانِ وَالْبَعْثُ هُوَ حَشْرُ الْاَجْسَادِ وَاِحْيَاءُهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

اور ہم بعث پر ایمان رکھتے ہیں اور قیامت کے دن اعمال کی جزاء پر اور عرض و حساب پر اور کتاب (اعمالنامہ) کے پڑھنے پر اور ثواب اور عقاب پر

؛ اور صراط (پلصراط) اور میزان پر اور بعث وہ جسموں کا حشر اور ان کا قیامت کے دن زندہ کرنا ہے ۔

تنبیہ :۔ تمام لوگوں کو ان احوال سے دو چار ہونا ہے لہذا یہاں کی کامیابی کیلئے سعی اور کوشش کرنی چاہئے ۔ اے اللہ تو اپنے فضل وکرم سے دارین کی رسوائی سے ہماری حفاظت فرما ، اور دارین کی سعادت عطا فرما ۔ (آمین)

جہاں مسلمانوں کے اور عقائد ہیں انھیں میں سے جنت اور دوزخ کے وجود کا عقیدہ ہے ہم ان دونوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ ان کے وجود کو خیالی اور مثالی کہتے ہیں ان کے قول کو مردود و باطل سمجھتے ہیں اور قرآن وحدیث نے جیسے ان دونوں کے وجود کو بتلایا اس کو حق سمجھتے ہیں ، پھر اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ پیدا کیجا چکی ہیں یا پیدا کیجائیں گی بعض گمراہ لوگوں کا خیال ہے کہ پیدا کیجائیں گی حالانکہ نصوص قرآن وحدیث سے اس کا بطلان واضح ہے جیسے آدم علیہ السلام کا جنت میں رہنا اور جیسے اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ وغیرہ اور جنت اور دوزخ اب ہمیشہ رہیں گی اور ان کے اہل بھی ہمیشہ رہیں گے اور اللہ نے جن کو جنت کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ پہلے سے اللہ کے علم میں ہیں اور یہی حال اہل جہنم کا ہے انسان کی پیدائش سے پہلے اللہ نے جنت اور دوزخ کو پیدا فرمایا اور ان دونوں کے اہل پیدا فرمائے جنکو جنت کے لئے پیدا فرمایا وہ اس کا فضل ہے اور جن کو چاہا انکو جہنم کے لئے پیدا فرمایا اور یہ اس کا عدل ہے اب ہر آدمی جو کچھ بھی عمل کرے گا تو وہ اس چیز کے لئے عمل کر رہا ہے جس سے فراغت ہو چکی ہے (کما مر) اور ہر آدمی اس مقام پر پہونچے گا جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے اور خیر وشر میں سے جو بھی بندہ کے سامنے آتا ہے وہ پہلے سے طے شدہ امر ہے امام طحاوی رح فرماتے ہیں ۔

وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ لَا يَفْنَيَانِ أَبَدًا وَلَا يَبِيْدَانِ

وَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ قَبْلَ الْخَلْقِ وَخَلَقَ لَهُمَا اَهْلًا فَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ لِلْجَنَّۃِ فَضْلًا مِّنْهُ وَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ لِلنَّارِ عَدْلًا مِّنْهُ وَكُلٌّ يَعْمَلُ لِمَا فُرِغَ مِنْهُ وَصَائِرٌ اِلٰی مَا خُلِقَ لَهٗ وَالْخَيْرُ وَالشَّرُّ مُقَدَّرَانِ عَلَی الْعِبَادِ۔

اور جنت اور دوزخ دونوں پیدا کیجا چکی ہیں جو نہ کبھی فنا ہوں گی اور نہ ہلاک ہوں گی اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے جنت اور جہنم کو پیدا فرمایا اور ان دونوں کے لئے اہل کو پیدا فرمایا پس مخلوق میں سے جس کو چاہا جنت کے لئے (پیدا فرمایا) اپنے فضل کے طور پر اور ان میں سے جس کو چاہا جہنم کیلئے (پیدا فرمایا) اپنے عدل کے طور پر اور ہر شخص عمل کر رہا ہے اس چیز کیلئے جس سے فراغت ہو چکی ہے اور ہر شخص جانے والا ہے اسی جگہ کیجانب جس کیلئے اس کو پیدا کیا گیا ہے اور خیر اور شر دونوں بندوں پر مقدر ہیں (یعنی اللہ کے فیصلہ کے ماتحت ہیں "

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سبق نمبر ۱۵

انسان اللہ کا بندہ ہے اور اس کی عبادت کا مکلف ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس صفت پر پیدا فرمایا کہ انسان نہ قادرِ مطلق ہے اور نہ عاجز مطلق ہے، اگر محض عاجز ہوتا تو کچھ کام نہ کر سکتا تھا حالانکہ یہ خلافِ مشاہدہ ہے اور اگر قادر مطلق ہوتا تو ہر کام کر سکتا تھا مگر یہ بھی خلافِ مشاہدہ اور خلافِ حقیقت ہے

لہذا معلوم ہوا کہ قادر تو ہے مگر ہر چیز پر قادر نہیں۔

جب انسان عبادات کا مکلف ہے تو عبادت کی ادائیگی کے لیئے قدرت واختیار کا ہونا بھی ایک بدیہی چیز ہے ورنہ تکلیف مالایطاق لازم آئے گی جو جائز نہیں ہے اسی لئے ارشاد ربانی ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ، یعنی ہر نفس کو ان احکام کا مکلف بنایا جاتا ہے جن پر وہ قادر ہو ان سے عاجز نہ ہو اور آیت مذکورہ کا تقاضہ یہ ہے کہ جب تکلیف اور وسعت کو ایک پیمانہ سے ناپا گیا ہے اور تکلیف وسعت کے مطابق ہے تو اس کیل کا مقتضایہ ہے کہ وسعت تکلیف کے مطابق ہو یعنی جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مساوی ہوتا ہے ایسے ہی تکلیف اور وسعت مساوی اور برابر ہوں کیونکہ مطابقت کا یہی تقاضہ ہے دونوں کا مساوی ہونا آیت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے مگر تکلیف کا حسب وسعت ہونا عبارۃ النص سے ثابت ہے اور وسعت کا حسب تکلیف ہونا اقتضاء النص سے ثابت ہے پھر استطاعت کو کبھی وسع سے اور کبھی قدرت، وطاعت سے اور کبھی تمکن سے تعبیر کردیا جاتا ہے پھر قدرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ ہے جس کو اسباب اور آلات اور اعضاء وغیرہ کی سلامتی اور صحت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان اوصاف کا موصوف بندہ ہوتا ہے یہ استطاعت فعل سے پہلے ہوتی ہے جیسے مثلاً بندہ نماز کا وقت ہے اس کیلئے پہلے سے آلات واسباب وغیرہ صحیح سالم ہونا شرط ہے تو یہ قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے ان اوصاف کی وجہ سے بندہ جو کچھ کریگا اس کا فعل کسب ہوگا۔ اور کسب کا فعل پہلے سے معلوم ہوچکا ہے۔

اور قدرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ فعل سے پہلے نہیں ہوتی بلکہ فعل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے اور اس سے مراد وہ قدرت ہے جس کو قدرت حقیقیہ بھی کہا جاتا ہے اسی کو دوسرے الفاظ میں خلق کہتے ہیں یعنی جب بندہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اسباب اختیار کرنے کے وقت اس فعل کا خلق فرمادیتے ہیں اور وہ

چیز معرض ظہور میں آجاتی ہے۔

تو قدرت کی یہ قسم ایسی نہیں جو فعل کے ساتھ برابر قائم رہ سکے اور فعل بغیر قدرت کے ہوتا نہیں تو ضروری ہوا کہ اس قدرت کو مع الفعل مانا جائے تاکہ فعل کا بغیر قدرت کے ہونا لازم نہ آئے"، استطاعت کی یہ دونوں قسمیں ایسی ہیں جو سب کے لیے عام ہیں اور ہر کام کے لیے عام ہیں خواہ فعل حسن ہو یا قبیح ہو۔

مگر قدرت کی ایک قسم اور ہے جس کو توفیق ایزدی سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی بندہ نے اسباب اختیار کیئے اور فعل کو کرنے کا ارادہ کیا اور اللہ کی جانب سے اسکے کرنے کی توفیق مل گئی تو اب وہ کام ہوگا ورنہ اس کی توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، یہ قسم عام نہیں ہے اللہ جس کو چاہتا ہے توفیق دیتا ہے اور جس کو نہیں چاہتا نہیں دیتا، یہ قدرت بھی مع الفعل ہوتی ہے، اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں۔

وَالْاِسْتِطَاعَةُ ضَرْبَانِ اَحَدُهُمَا الْاِسْتِطَاعَةُ الَّتِیْ یُوْجَدُ بِهَا الْفِعْلُ نَحْوُ التَّوْفِیْقِ الَّذِیْ لَا یَجُوْزُ اَنْ یُّوْصَفَ الْمَخْلُوْقُ بِهٖ فَهِیَ مَعَ الْفِعْلِ وَاَمَّا الْاِسْتِطَاعَةُ الَّتِیْ مِنْ جِهَةِ الصِّحَّةِ وَالْوُسْعِ وَالتَّمَکُّنِ وَسَلَامَةِ الْاٰلَاتِ فَهِیَ قَبْلَ الْفِعْلِ وَهُوَ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاَفْعَالُ الْعِبَادِ هِیَ خَلْقُ اللّٰهِ وَکَسْبٌ مِّنَ الْعِبَادِ۔

اور استطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ استطاعت جس کے ذریعہ فعل پایا جاتا ہے

جیسے وہ توفیق جس سے مخلوق کا اتصاف جائز نہیں ہے تو یہ استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور بہر حال وہ استطاعت جو کہ صحت اور وسعت اور تمکن اور آلات کی سلامتی کے اعتبار سے ہے تو وہ قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے اور یہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اور بندوں کے افعال اللہ کے مخلوق ہیں اور بندوں کی جانب سے کسب ہے۔

وَلَمْ یُکَلِّفْھُمُ اللّٰہُ اِلَّا مَا یُطِیْقُوْنَ وَلَا یُطِیْقُوْنَ اِلَّا مَا کَلَّفَھُمْ وَھُوَ تَفْسِیْرُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ نَقُوْلُ لَا حِیْلَۃَ لِاَحَدٍ وَلَا حَوْلَ لِاَحَدٍ وَلَا حَرَکَۃَ لِاَحَدٍ عَنْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ اِلَّا بِمَعُوْنَۃِ اللّٰہِ وَلَا قُوَّۃَ لِاَحَدٍ عَلٰی اِقَامَۃِ طَاعَۃِ اللّٰہِ وَالثَّبَاتِ عَلَیْھَا اِلَّا بِتَوْفِیْقِ اللّٰہِ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو مکلف نہیں بنایا مگر انھیں کاموں کا جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں اور وہ نہیں طاقت رکھتے ہیں مگر جس کے وہ مکلف ہیں اور یہی لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کی تفسیر ہے ہم کہتے ہیں نہ کسی کے لیے کوئی حیلہ ہے اور نہ کسی کے لیے کوئی طاقت ہے اور نہ کسی کے لیے اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی کوئی حرکت ہے مگر اللہ کی مدد سے اور نہ اللہ کی طاعت کے ادا کرنے پر کسی کو کوئی قوت ہے اور نہ طاعت پر ثابت قدم رہنے کی طاقت ہے مگر اللہ کی توفیق سے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ وَعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ غَلَبَتْ مَشِيئَتُهُ الْمَشِيئَاتِ كُلَّهَا وَغَلَبَ قَضَاؤُهُ الْحِيَلَ كُلَّهَا يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ أَحَدًا لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ۔

ہر چیز جاری ہوتی ہے اللہ کی مشیئت اور اسکے علم اور اس کے فیصلے سے تو اس کی مشیت تمام مشیتوں پر غالب آتی ہے اور اس کا فیصلہ تمام تدبیروں پر غالب آتا ہے اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا وہ جو کچھ کرے اس سے باز پرس نہیں کیجا سکتی اور لوگوں سے باز پرس ہوگی۔

تنبیہ :۔ باقی ضروری تفصیل ہم تقریر میں عرض کر چکے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ زندہ لوگ مردوں کے لئے جو دعا کرتے ہیں اور مختلف کار خیر کے ذریعہ جو ایصال ثواب کرتے ہیں تو مردوں کو اسکا نفع پہونچتا ہے قرآن سے بھی استغفار کا ثبوت ہے اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں اور وہ بعض آیات کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں مگر ان کا یہ مذہب خلاف اجماع اور نصوص کے خلاف ہے۔ اور استدلال کلمۃ حق ارید بہا الباطل کی قبیل سے ہے، نماز جنازہ کا مشروع ہونا نفع پہونچنے کا بین ثبوت ہے کیونکہ نماز جنازہ کا مقصد استغفار ہی ہے کما لایخفیٰ اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَفِي دُعَاءِ الْأَحْيَاءِ وَصَدَقَتِهِمْ مَنْفَعَةٌ لِلْأَمْوَاتِ

اور زندہ لوگوں کے دعا کرنے میں اور ان کے صدقہ کرنے میں مردوں کے لئے

وسعت ہے۔

اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور حاجات کو پوری فرماتا ہے اور وہ ہر چیز کا مالک ہے اور اس کا کوئی مالک نہیں ہے اور ایک لحظہ کے لیے بھی اور پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ تعالیٰ سے استغناء نہیں ہے اور جو ایک لحظہ کے لئے بھی اللہ سے مستغنی ہوگا تو وہ کافر ہوا اور اہل ہلاکت میں سے ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی جہاں اور صفات ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ راضی ہوتا ہے اور غصہ ہوتا ہے مگر اس کا غضب اور رضامندی ایسی نہیں ہے جیسے مخلوق کا غضب اور خوشی ہوتا ہے بلکہ لیس کمثلہ شئی ... امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَسْتَجِيبُ الدَّعَوَاتِ وَيَقْضِي الْحَاجَاتِ وَيَمْلِكُ كُلَّ شَيْءٍ وَلَا يَمْلِكُهُ شَيْءٌ وَلَا غِنٰى عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَمَنِ اسْتَغْنٰى عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَقَدْ كَفَرَ وَكَانَ مِنْ أَهْلِ الْحَيْنِ وَاللّٰهُ يَغْضَبُ وَيَرْضٰى لَا كَأَحَدٍ مِنَ الْوَرٰى۔

اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور حاجات کو پوری کرتا ہے اور ہر چیز کا مالک ہے اور کوئی اس کا مالک نہیں ہے اور ایک لمحہ کے لئے اللہ سے بے نیازی نہیں ہے اور جو ایک لمحہ کے لئے اللہ سے بے نیاز ہوا تو وہ کافر ہو گیا اور اہل ہلاکت میں سے ہو گیا اور اللہ تعالیٰ غضبناک ہوتا ہے اور راضی ہوتا ہے مخلوق میں میں سے کسی کی طرح نہیں۔

تنبیہ۔ اللہ تعالیٰ کفار کی دعا قبول کرتا ہے یا نہیں ہم نے جواہر الفوائد میں اس پر بسط سے کلام کیا ہے حین بفتح الحاء بمعنی ہلاکت، اللہ تعالیٰ غصہ ہوتا ہے اور راضی ہوتا ہے قرآن سے ان دونوں کا ثبوت ہے، جیسے

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ ، اور ارشاد ہے وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابًا عظیمًا ، مگر صفات کے متعلق جو اصول ہم ماقبل میں عرض کر چکے ہیں اسے ذہن نشین رکھیئے اس سے خود بخود یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ کی صفات ہماری صفات کے مثل نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں صحابہؓ کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ صحابہؓ سے راضی ہے ارشادِ باری ہے یحبہم ویحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکفرین ، لہذا اللہ تعالیٰ جب ان سے محبت رکھتا ہے اور یہ اللہ کے محبوب ہیں تو مخلوق کے بھی محبوب ہونے چاہئیں نیز صحابہؓ کرام کی محبت محبت نبوی کی وجہ سے ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من احبہم فبحبی احبہم ومن ابغضہم فببغضی ابغضہم بہرحال صحابہؓ سے اللہ کو محبت ہے اور اس کے رسولؐ کو محبت ہے اب انصاف کا تقاضہ ہوا کہ صحابہ سے محبت رکھی جائے اسلئے ہم صحابہ سے محبت رکھیں گے اور رکھتے ہیں اور جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں ان سے ہم بغض رکھیں گے پھر شریعت نے ہر امر میں اعتدال کو اختیار فرمایا اسی طرح حبِ صحابہؓ کے اندر بھی اعتدال ہوگا جس میں نہ افراط ہو اور نہ تفریط نہ صحابہ کو انکی شان سے بڑھایا جائے گا کیونکہ یہ اعتدال کے خلاف ہے جیسے شیعہ نے حضرت علیؓ اور اہل بیت کے متعلق کیا اور نہ صحابہ کو انکے درجہ سے نیچے گرایا جائے گا جیسے خوارج نے کیا اور انھوں نے حضرت علیؓ اور عثمانؓ اور اہل بیت سے برائت ظاہر کی۔

مگر دونوں طریقے غلط ہیں اور حق راستہ وہ ہے جو اہل حق نے اختیار کیا جسمیں نہ افراط ہے اور نہ تفریط خلفاء راشدین میں سے ہر ایک کو ان کے مقام پر رکھا اور کسی صحابی کو اس کے مقام سے نہیں ہٹایا اور کہہ دیا کہ صحابہ کا ذکر خیر سے ساتھ ہونا چاہیئے ان کی برائی جائز نہیں اور ان پر تنقید دین کو کھوکلا کرنے والی ہے اور بعد میں آنے والا بڑے سے بڑا عالم فقیہ ، مجتہد ، صوفی ، قطب ، غوث

صحابہ رضؓ کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا اور کیا ہی انصاف کی بات ہے جو حضرت عبد اللہ ابن المبارکؒ نے فرمائی ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت معاویہ رضؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ؟

تو انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک پر جو گرد وغبار بیٹھا اس گرد کے برابر بھی حضرت عمر بن عبد العزیز کا مقام نہیں ہے، لہذا ہم تمام صحابہ سے محبت رکھیں گے اور انکا ذکر بالخیر کریں گے اور ان میں سے کسی سے بھی فرق باطلہ کے مثل تبرّی نہیں کرینگے اور جو ان سے بغض رکھے گا اس سے ہم بغض رکھیں گے اور یہی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا تقاضہ ہے اور ہم صحابہؓ کی محبت کو دین اور ایمان اور احسان سمجھتے ہیں اور ان سے بغض کو کفر اور نفاق اور طغیان اور سرکشی سمجھتے ہیں، امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَنُحِبُّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نُفْرِطُ فِي حُبِّ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَلَا نَتَبَرَّاُ مِنْ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنُبْغِضُ مَنْ يُّبْغِضُهُمْ وَبِغَيْرِ الْحَقِّ يَذْكُرُهُمْ وَلَا نَذْكُرُهُمْ اِلَّا بِالْخَيْرِ وَحُبُّهُمْ دِيْنٌ وَاِيْمَانٌ وَاِحْسَانٌ وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَنِفَاقٌ وَطُغْيَانٌ۔

اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی کی محبت میں افراط سے کام نہیں لیتے اور نہ ان میں سے کسی سے برائت ظاہر کرتے اور جو ان سے بغض رکھتا ہم اس سے بغض رکھتے ہیں اور جو بغیر حق کے ان کو یاد کرتا ہے (ان سے ہم بغض رکھتے ہیں) اور ہم ان کا ذکر نہیں کریں گے مگر خیر کے ساتھ اور انکی محبت دین اور ایمان اور احسان ہے اور ان سے

بغض کفر اور نفاق اور طغیان ہے۔

تنبیہ: شیعہ، خوارج، مودودی، سب صحابہؓ کی شان میں گستاخ ہیں نوعیت جداگانہ ہے ان میں سے مودودی زیادہ خطرناک ہے اور زیادہ چالاک ہے یہ صحابہ پر ہاتھ صاف کرتا ہے اور دین کو مجروح کرتا ہے اور قرآن کو بلا واسطہ صحابہؓ سمجھتا ہے ہم ان سب کو گمراہ سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو گمراہی سے بچائے اور گمراہ کن جماعتوں کے فریب و دجل سے محفوظ رکھے (آمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## سبق نمبر ۱۶

ہم تمام صحابہؓ میں خلفاء راشدین کو سب سے افضل سمجھتے ہیں اور خلفاء راشدین میں سب سے افضل ابو بکر صدیقؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ انبیاء کے علاوہ تمام انسانوں میں خواہ اگلے ہوں یا پچھلے ہم ابو بکر صدیق کو سب سے افضل سمجھتے ہیں پھر ان کی خلافت کی ترتیب بھی انکی فضیلت کی ترتیب کے مطابق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے خلیفہ ابو بکر صدیق ہیں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ اور ان چاروں کی خلافت کے حق ہونے پر امت کا اجماع ہے ابو بکرؓ کی خلافت پر امت کا اجماع ہے اور تمام صحابہ نے ان کے ہاتھوں پر بیعت فرمائی اور حق بھی انہیں کا تھا کیونکہ وہ افضل الصحابہ اور انبیاء کے علاوہ سب انسانوں سے افضل ہیں اور ایسے قرائن آثار میں منقول ہیں جو ان کی خلافت کی جانب مشیر ہیں اگرچہ نص صریح ان کی خلافت کے سلسلہ میں نہ ہو، یہی وجہ تھی کہ تمام صحابہؓ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے، جب انکی خلافت ثابت ہوگئی تو ان کے اوامر کا واجب الاتباع ہونا ثابت ہوگیا اور انھوں نے اپنی حیات کے آخری دور میں حضرت عمر فاروق کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا جس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ نے بعض صحابہؓ سے عمر فاروقؓ کے متعلق پوچھا

سب نے اچھی بات کہی کہ وہ بہترین آدمی ہیں پھر آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر انکو اپنا عہد نامہ املا کرایا اور پھر اس کو بند کر کے لوگوں کو حکم دیا کہ اس میں جس کا نام ہے اس کی بیعت کو قبول فرمائیں تمام لوگوں نے کہا کہ اس میں جو بھی ہیں ہم ان کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں، لہٰذا تمام صحابہ نے بیعت کی پھر عمر فاروقؓ نے اپنی حیات کے آخری وقت میں ایک چھ نفری کمیٹی بنائی کہ اپنے میں سے جس ایک کو چاہیں خلیفہ مقرر کرلیں وہ چھ حضرات یہ تھے عثمانؓ، علیؓ، عبد الرحمٰن بن عوف، طلحہ، زبیر سعد بن ابی وقاص، پھر باقی پانچ نے عبد الرحمٰن ابن عوف کو اختیار دیدیا کہ تم جسکو چاہو مقرر کردو ہم تمہارے فیصلہ پر راضی ہیں انھوں نے حضرت عثمانؓ کو مقرر کیا اور انھوں نے صحابہ کے سامنے ان سے بیعت کی اور تمام صحابہؓ بیعت ہو گئے پھر حضرت عثمانؓ شہید کردیے گئے اور انھوں نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تو انصار و مہاجرین میں سے ارباب حل وعقد نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرلی، اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا کیونکہ آپ روئے زمین پر بسنے والے انسانوں میں حضرت علیؓ ہی سب سے افضل تھے،" حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کا اختلاف وہ امر خلافت میں نہیں تھا بلکہ اسکی بنیاد خطاء اجتہادی پر ہے۔

ابو بکر صدیقؓ کی خلافت ۲ سال اور ۳ ماہ تک رہی، اور عمر فاروقؓ کی خلافت ساڑھے دس سال تک رہی اور حضرت عثمانؓ کی بارہ ۱۲ سال تک اور حضرت علیؓ کی خلافت چار سال اور نو مہینے تک رہی اور حضرت حسن ابن علیؓ کی خلافت چھ ماہ تک پھر انھوں نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت فرمالی تھی تو یہ کل تیس ۳۰ سال کی مدت ہے اور یہی بنص حدیث مدت خلافت ہے پھر سلطنت اور بادشاہت ہے تو حضرت معاویہؓ مسلمانوں میں سب سے پہلے بادشاہ ہیں اور تمام مسلم بادشاہوں میں سب سے افضل ہیں "۔ بہر حال یہ چاروں حضرات وہ ہیں جنکو خلفاء راشدین اور ائمہ مہدیین کہا گیا ہے اور جن کے اتباع کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔

دس صحابہ ایسے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی

خوشخبری دی ہے لہٰذا آپ کے فرمان کے سبب سے ہم ان کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں ان دس حضرات میں سے چار تو خلفاء راشدین ہیں اور طلحہؓ، اور زبیرؓ اور سعدؓ اور سعیدؓ اور عبد الرحمٰنؓ بن عوف اور ابو عبیدہؓ بن الجراح ہیں۔

بہر حال جو صحابہؓ سے محبت رکھے گا اور ان کا ذکر بالخیر کرے گا اور ازواج مطہرات اور اہل بیت کا ذکر بالخیر کرے گا تو وہ نفاق سے بری ہے اور جو ان حضرات سے بغض و عناد رکھیگا اور ان حضرات کو اپنی ملامت و تنقید کا نشانہ بنائے گا، تو وہ نصوص کا مخالف ہے اور اپنے ایمان کا دشمن ہے۔ اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں

وَنُثْبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلًا لِاَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تَفْضِيْلًا لَهٗ وَتَقْدِيْمًا لَهٗ عَلٰى جَمِيْعِ الْاُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُمُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ وَالْاَئِمَّةُ الْمَهْدِيُّوْنَ وَاِنَّ الْعَشَرَةَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ عَلٰى مَا شَهِدَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلُهُ الْحَقُّ وَهُمْ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَسَعْدٌ وَسَعِيْدٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَهُمْ اُمَنَاءُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ ۔ وَمَنْ اَحْسَنَ الْقَوْلَ فِیْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَاتِہٖ فَقَدْ بَرِیٔ مِنَ النِّفَاقِ۔

اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولاً خلافت کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں ان کو تمام امت پر فضیلت دیتے ہوئے اور سب پر فوقیت دیتے ہوئے پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے پھر علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے لیے، اور یہ خلفاء راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں اور تحقیق کہ وہ دس حضرات جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی ہے ہم انکے لیے جنت کی بشارت دیتے ہیں اس وجہ سے کہ ان کے لیے رسول اللہ علیہ وسلم نے جنت کی شہادت دی ہے اور آپ کا فرمان حق ہے اور وہ حضرات یہ ہیں ابو بکر اور عمر اور عثمان اور علی اور طلحہ اور زبیر اور سعد اور سعید اور عبدالرحمٰن بن عوف اور ابو عبیدہ بن الجراح اور یہ سب اس امت کے امین ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ازواج اور ذریات کی شان میں گفتگو اچھی رکھے گا تو وہ نفاق سے بری ہے۔

نیز علماء سلف اور علماء متاخرین خواہ وہ محدثین ہوں یا فقہاء انکا ذکر بالخیر کیا جائے گا اور جو علماء کی برائی کرتا ہے تو وہ حق راستہ پر نہیں ہے بلکہ علماء کی توہین علماء ہونے کی حیثیت سے کفر ہے۔

بنص قرآنی تمام مومنین سے محبت واجب ہے پھر علماء کرام سے کیونکہ محبت واجب نہ ہوگی حالانکہ وہ حضرات وارثین انبیاء ہیں ارشاد باری ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا امت محمدیہ میں سب سے اچھے لوگ علماء ہیں قرآن و حدیث میں ان کے فضائل موجود ہیں امام طحاوی فرماتے ہیں۔

وَعُلَمَاءُ السَّلَفِ مِنَ الصَّالِحِيْنَ السَّابِقِيْنَ وَالتَّابِعِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْخَيْرِ وَالْأَثَرِ وَأَهْلِ الْفِقْهِ وَالنَّظَرِ لَا يُذْكَرُوْنَ إِلَّا بِالْجَمِيْلِ وَمَنْ ذَكَرَهُمْ بِسُوْءٍ فَهُوَ عَلٰى غَيْرِ السَّبِيْلِ۔

اور علماء سلف جو صالحین ہیں یعنی صحابہ اور تابعین اور جو ان کے بعد ہیں اہل خیر اور اہل حدیث میں سے اور اہل فقہ اور اہل نظر میں سے (یعنی مجتہدین) یاد نہیں کیئے جائیں گے مگر بھلائی کے ساتھ اور جو انکا برائی کے ساتھ ذکر کرے گا تو وہ حق راستہ کے غیر پر ہے۔

تنبیہ :۔ آجکل جو بعض لوگوں نے علماء کو مطعون کرنے کا مشغلہ بنا رکھا ہے دنیا اور آخرت کے لیئے مضر ہے رہی یہ بات کہ کچھ علماء میں سے بُرے ہیں جو علماء سوء کہلانے کے مستحق ہیں تو اس سے انکار نہیں مگر حق کی جستجو ضروری ہے ان کو تلاش کیا جائے جو علماء حق ہوں اور سنت نبوی کے پیروکار ہوں پھر ان کا اتباع کیا جائے۔ فافہم۔

بعض لوگوں کو یہ بھوت سوار ہوا کہ انھوں نے کہنا شروع کیا کہ مقام ولایت مقام نبوت سے افضل ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا، بہر حال مقام نبوت ولایت سے افضل ہے اور کوئی ولی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں ایک نبی تمام دنیا کے ولیوں سے افضل ہے۔ اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَلَا نُفَضِّلُ أَحَدًا مِنَ الْأَوْلِيَاءِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ وَنَقُوْلُ نَبِيٌّ وَاحِدٌ أَفْضَلُ مِنْ جَمِيْعِ الْأَوْلِيَاءِ۔

اور ہم کسی ولی کو انبیاء پر فضیلت نہیں دیتے اور ہم کہتے ہیں کہ ایک نبی

تمام اولیاء سے افضل ہے۔

نیز قرآن کریم اور احادیث و آثار میں بکثرت اولیاء کی کرامات مذکور ہیں لہذا ہم اولیاء کی کرامات کو حق مانتے ہیں بعض لوگوں نے فہم کی کوتاہی کی وجہ سے اولیاء کی کرامات کا انکار کیا ہے کہ اس میں التباس کا خطرہ ہے اور نبی اور ولی میں فرق واضح نہ ہو سکے گا مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ معجزہ کا ظہور مدعی نبوت کے ہاتھ پر ہوتا ہے اور ولی کی کرامت کے ساتھ ادعاء نبوت نہیں ہوتا بلکہ نبی کی متابعت ہوتی ہے تو ولی کی یہ کرامت اس نبی کے حق میں معجزہ ہے جس کا یہ امتی ہے، اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

## وَنُؤْمِنُ بِمَا جَاءَ مِنْ كَرَامَاتِهِمْ وَصَحَّ عَنِ الثِّقَاتِ مِنْ رِوَايَاتِهِمْ۔

اور ہم ایمان رکھتے ہیں ان خوارق پر جو اولیاء کی کرامات میں سے وارد ہوئی ہیں اور ثقہ راویوں سے انکی روایات صحت کے ساتھ ثابت ہے۔

تنبیہ :- حضرت مریم کی کرامت کا ذکر قرآن میں ہے، اور حضرت عمر فاروقؓ کے خط سے دریائے نیل کا جاری ہو جانا اور نہاوند میں اپنے لشکر کو دیکھنا اور پھر یاساریۃ الجبل کہنا اور ان لوگوں کا اس جملہ کو سن لینا تواریخ میں تواتر کے ساتھ منقول ہے، اور بہت سے اولیاء کی کرامات منقول ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چیزوں کو قیامت کی علامت ارشاد فرمایا ہے اور وہ ایک حدیث میں ارشاد فرمائی گئی ہیں (۱) دخان (۲) خروج دجال (۳) خروج دابہ (۴) سورج کا مغرب کی جانب سے نکلنا (۵) عیسی ابن مریم کا نزول (۶) خروج یاجوج وماجوج (۷،۸،۹) تین خسوف ہوں گے ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک خسف جزیرۂ عرب میں (۱۰) آگ ہوگی جو لوگوں کو محشر تک لے جائیگی روایات و آثار علامات قیامت کے سلسلہ میں بکثرت ہیں ان تمام باتوں پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں ہمارا ایمان ہے یہاں مصنفؒ نے صرف پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے (۱) دجال کا خروج ہوگا (۲) حضرت عیسیٰ

آسمان سے اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور امام مہدی کی اقتدار کریں گے (۳) سکندر ذوالقرنین نے جس آہنی دیوار سے یاجوج ماجوج کا راستہ بند کر رکھا ہے وہ دیوار ٹوٹے گی اور وہ نکلیں گے اور دنیا میں فساد پھیلائیں گے پھر اللہ تعالےٰ ایک بیماری میں ان کو مبتلا فرمائیں گے جس سے وہ سب مرجائیں گے (۴) اور سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا اور پھر اس کے بعد کسی کافر کا ایمان اور فاسق کی توبہ قبول نہ ہوگی (۵) صفا پہاڑ پھٹے گا اور اس میں سے ایک چوپایہ نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا فرمانِ باری ہے واذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم ان الناس کانوا بآیتنا لا یوقنون ۔

امام طحاوی فرماتے ہیں ۔

وَنُؤْمِنُ بِاَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ وَ نُزُوْلِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَآءِ وَخُرُوْجِ يَاجُوْجَ وَ مَاجُوْجَ وَنُؤْمِنُ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجِ دَابَّةِ الْاَرْضِ مِنْ مَوْضِعِهَا ۔

اور ہم قیامت کی علامات پر ایمان رکھتے ہیں یعنی دجال کا خروج اور آسمان سے عیسیٰ بن مریم کا نزول اور یاجوج وماجوج کا خروج اور ہم ایمان رکھتے ہیں سورج کے طلوع ہونے پر اس کے غروب کی جگہ سے اور دابۃ الارض کے خروج پر اپنے مقام سے ۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ علم غیب اللہ کی صفت خاصہ ہے جس پر کوئی مطلع نہیں لہٰذا اگر کوئی کاہن یا نجومی جس کو عراف بھی کہتے ہیں غیب کی خبریں دیں تو ہم انکی تصدیق نہیں کریں گے احادیث میں اس کی تصدیق پر سخت وعید وارد ہوئی ہے نیز ایسے ہی ہر وہ شخص جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع امت کے خلاف کوئی دعوی کرے تو اس کی بات مردود ہوگی اور ہم اس کی تصدیق نہیں کرینگے

اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَلَا نُصَدِّقُ كَاهِنًا وَلَا عَرَّافًا وَلَا مَنْ يَدَّعِي شَيْئًا يُخَالِفُ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَاجْمَاعَ الْأُمَّةِ۔

اور ہم کسی کاہن کی تصدیق نہیں کریں گے اور نہ نجومی کی اور نہ اس شخص کی جو کسی ایسی شئی کا دعویٰ کرے جو کتاب اور سنت اور اجماع کے خلاف ہو۔

نیز ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جماعتِ صحابہ اور تابعین اور علماء حق کی جماعت کا اتباع کیا جائے یہی جماعت حق ہے اور انہیں کا اتباع حق کا اتباع ہے اور ہم جماعتِ حقہ سے جدا ہونے اور الگ ہونے کو کجی اور عذاب سمجھتے ہیں مگر یہ کہ اختلاف فروعات میں بر بنا اجتہاد ہو کیونکہ یہ اختلاف مذموم نہیں بلکہ محمود ہے اور اختلاف العلماء رحمۃ کا مصداق یہی اختلاف ہے نیز اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے ورضیت لکم الاسلام دینا اور اللہ ہی آسمان کا خالق ہے اور وہی زمین کا خالق ہے اور وہی ان دونوں کا مالک اور ان دونوں کے اندر معبود ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ زمین و آسمان میں اسکا دین اسلام ہی ہے۔

اسی کو امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وَنَرَى الْجَمَاعَةَ حَقًّا وَصَوَابًا وَالْفُرْقَةَ زَيْغًا وَعَذَابًا

وَدِينُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَاحِدٌ

وَهُوَ دِينُ الْإِسْلَامِ قَالَ اللهُ تَعَالَى إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ

الْإِسْلَامُ وَقَالَ تَعَالَى وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔

اور ہم جماعت کو حق اور درست سمجھتے ہیں اور ان سے علیحدگی کو کجی اور عذاب سمجھتے ہیں اور زمین و آسمان میں اللہ عزوجل کا دین ایک ہے اور وہ دین اسلام ہے اللہ نے فرمایا ان الدین عند اللہ الاسلام ، دین تو اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہے

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ورضیت لکم الاسلام دینا ، اور میں راضی ہوگیا تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے سے ۔

تنبیہ ۔ قرآن کریم کی آیات متعددہ اور احادیث سے دین کا ایک ہونا ثابت ہوتا ہے ، نیز آیات کثیرہ اور احادیث میں اتحاد واتفاق کی ترغیب اور اختلاف پر وعید وارد ہوئی ہے اور اس اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو خواہشات کی بنیاد پر ہو مجتہدین کا اختلاف اس سے مستثنیٰ ہے ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سبق نمبر ۱۷

دین محمدی میں جس کو اسلام کہتے ہیں بالکل اعتدال ہے نہ اس میں دین موسوی جیسا افراط ہے اور نہ دین عیسوی جیسی تفریط ہے اور اگر دیکھا جائے کہ فرق مختلفہ میں سے اصل دین پر کون ہے ؟ تو آپ دیکھیں گے کہ اصل دین وہ ہے جس میں اعتدال ہے جس میں نہ غلو سے کام لیا گیا ہو اور نہ تقصیر سے نہ راہبانہ طرز اختیار کیا گیا ہو کہ محللات کو حرام کرلیں اور نہ بالکل یہ کہ چوپایوں کی طرح بنجائیں کہ حلال وحرام میں کچھ امتیاز نہ رہے اول غلو ہے اور ثانی تقصیر ہے اور بعض لوگوں نے اللہ کو اور اس کی صفات کو مخلوق کی ذات وصفات کے ساتھ تشبیہ دینی شروع کردی جن کو مشبہ کہا جاتا ہے ہم اس مذہب کو بھی باطل سمجھتے ہیں اور دوسرے بعض فرقوں نے صفات باری کا انکار کردیا اسی وجہ سے اس فرقہ کو معطلہ کہتے ہیں بہر حال راہ اہل حق میں نہ تشبیہ ہے اور نہ صفات کا انکار ہے ، پھر جبریہ نے انسان کو مجبور محض مانا ہے اور قدریہ نے قادر مطلق مانا ہے مگر دونوں قول باطل ہیں بلکہ قول حق یہ ہے کہ نہ بندہ مجبور محض ہے اور نہ قادر مطلق ہے بعض امور پر اس کو قدرت ہے اور بعض پر نہیں ہے کما ہو ظاہر نیز ہمارا مسلک یہ ہے کہ نہ تو انسان اللہ کے عذاب سے بالکل بے خوف ہو اور نہ اللہ کی رحمت سے

نا امید ہو بلکہ رجاء اور خوف کے بین بین ہو اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں ۔

وَهُوَ بَيْنَ الْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيرِ وَالتَّشْبِيهِ وَالتَّعْطِيلِ وَبَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدَرِ وَبَيْنَ الْأَمْنِ وَالْيَأْسِ فَهٰذَا دِينُنَا وَاعْتِقَادُنَا ظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَنَحْنُ بُرَآءُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ كُلِّ مَنْ خَالَفَ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ وَبَيَّنَّاهُ ۔

اور یہ (دین اسلام) غلو اور تقصیر کے اور تشبیہ اور تعطیل کے اور جبر اور قدر کے اور امن اور یاس کے درمیان ہے پس یہ ہمارا دین اور ہمارا اعتقاد ہے باعتبار ظاہر کے اور باطن کے اور ہم اللہ کی جانب برائت ظاہر کرتے ہیں ہر اس شخص سے جو اس طریقہ کا مخالف ہو جسکو ہم نے ذکر کیا اور جسکو ہم نے بیان کیا ہے

**تنبیہ :-** یعنی ہر گمراہ فرقہ سے ہم بری ہیں اور ہمارا اعتقاد یہ ہے جو ہم نے ذکر کر دیا اور یہ اہل حق کا مسلک ہے جس میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط ہے بلکہ راہِ اعتدال ہے ۔

خاتمہ کتاب کے اختتام پر مصنف اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعاء کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان پر فرما، اور ہم کو اسی دین پر استقامت نصیب فرما، اور نفسانی خواہشات سے اور آراء مختلفہ اور بیکار اور لغو مذاہب مبتدعہ سے ہماری حفاظت فرما جیسے مشبہ اور معتزلہ اور جہمیہ اور جبریہ اور قدریہ وغیرہ ہیں جو سنت کے خلاف چلتے ہیں اور ضلالت کے رفیق ہیں یہ سب فرقے گمراہ ہیں اور آنحضرت کی پیشین گوئی ہے کہ امت محمدیہ میں تہتر فرقے ہونگے وہ ہوئے مگر حق پر اہل سنت والجماعت ہیں اور ہم گمراہ فرقوں سے بری ہیں اور انکو گمراہ سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست ہے کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا ۔

امام طحاوی فرماتے ہیں۔

وَنَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْ يُّثَبِّتَنَا عَلَى الْاِيْمَانِ وَيَخْتِمَ لَنَا بِهٖ وَيَعْصِمَنَا مِنَ الْاَهْوَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ وَالْاٰرَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ وَالْمَذَاهِبِ الرَّدِيَّةِ مِثْلُ الْمُشَبِّهَةِ وَالْمُعْتَزِلَةِ وَالْجَهْمِيَّةِ وَالْجَبْرِيَّةِ وَالْقَدَرِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الَّذِيْنَ خَالَفُوا السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ وَحَالَفُوا الضَّلَالَةَ وَنَحْنُ بُرَآءُ مِنْهُمْ وَهُمْ عِنْدَنَا ضُلَّالٌ اَرْدِيَاءُ وَبِاللّٰهِ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ایمان پر ثابت قدم رکھ اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما اور ہم کو مختلف خواہشات سے بچا اور اور متفرق آراء سے بچا اور ردی مذاہب سے بچا جیسے مشبہ اور معتزلہ اور جہمیہ اور جبریہ اور قدریہ اور ان کے علاوہ ان لوگوں میں سے جنھوں نے سنت اور جماعت کی مخالفت کی اور گمراہی کے حلیف (رفیق) ہو گئے اور ہم ان سے بری ہیں اور یہ ہمارے نزدیک گمراہ ہیں گھٹیا ہیں اور اللہ ہی کے ساتھ عصمت اور توفیق ہے اور اللہ تعالیٰ رحمت و درود نازل فرمائے ہمارے سردار محمد پر اور انکی آل اور ان کے تمام صحابہؓ پر اور سلامتی نازل فرمائے اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

تنبیہ۔ تہتر فرقوں کی تفصیل ہم نے جواہر الفرائد میں بیان کی ہے۔

تنبیہ ۲۔ مشبہ یہ فرقہ نصاریٰ کے برعکس ہے جیسے انھوں نے حضرت عیسیٰ کو خالق کے ساتھ تشبیہ دی ایسے ہی انھوں نے اللہ کو مخلوق کیساتھ تشبیہ دی

معتزلہ[۲]، یہ عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء الغزال اور ان کے ساتھی ہیں دوسری صدی کے اوائل میں حسن بصریؒ کی وفات کے بعد انھوں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی اس وجہ سے ان کو معتزلہ کہا جاتا ہے (والتفصیل فی اوائل جواہر الفرائد) جہمیہ[۳]، یہ فرقہ جہم بن صفوان سمرقندی کی جانب منسوب ہے یہی جہم ہے جس نے صفات کی نفی کی، اور اس نے یہ تعلیم جعد ابن درہم سے حاصل کی جس کو خالد بن عبداللہ قسری نے ذبح کر دیا تھا، اور انھوں نے یہ کام علماء زمانہ سے استفتاء کے بعد کیا تھا۔

جبریہ[۴]، قدریہ[۵] ان کا بیان ہم شروع میں کر چکے ہیں کہ اول انسان کو مجبور محض اور ثانی خالق افعال مانتے ہیں، جتنے بھی یہ فرقے پیدا ہوئے ہیں اس میں شیطان کی تلبیس ہے۔ جس کے پاس قوموں کے گمراہ کرنیکے مختلف ہتھیار ہیں حافظ ابن الجوزی کی تلبیس ابلیس اس موضوع پر بہت نفیس کتاب ہے، بحمداللہ امام طحاویؒ کی کتاب عقیدۃ الطحاویؒ مکمل ہوگئی، حضرت استاذ محترم جناب حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدۃ الطحاوی پر بہترین حاشیہ لکھا ہے اور مختصر سے ایک متن کا اضافہ فرمایا ہے ہم اسکی بھی شرح اختصاراً عرض کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## سبق نمبر ۱۸

امام طحاویؒ نے اپنی کتاب میں خلافت کے مسئلہ پر گفتگو فرمائی اور اپنے ذوق کے مطابق جتنی چیزوں کو یہاں بیان کرنا لازم سمجھا کر دیا، حضرت مہتمم صاحبؒ نے یہ سمجھ کر کہ خلافت کے کچھ تقاضے ہیں اور کچھ اس کی غایات ہیں تاکہ طالبین کے سامنے خلافت کے تقاضے اور غایات وغیرہ بھی منقح ہو جائیں اس متن کا اضافہ فرمایا جس کا عنوان یہ ہے۔

# مَبانِی الخِلافَۃِ وَالسِّیاسَۃِ الدِّینِیَّۃِ وَغایاتُھا

## مِنَ المحشی مدظلہ

خلافت اور سیاست دینیہ کی بنیادیں اور خلافت کی غایات حضرت محشی مدظلہ کی جانب سے ،، یعنی یہ اضافہ محشی کی طرف سے ہے۔

تنبیہ - مبانی مبنی کی جمع ہے بمعنی بنیاد، دینی سیاست کا حاصل یہ ہے کہ انسان دین اور دنیا کے نقصان سے بچے اور دوسروں کو بچائے، شریعت نے بہت سے امور کے اندر سیاست دینیہ کا لحاظ کیا ہے، جیسے خطبہ جمعہ کا عربی میں ہونا جہاں اس کی دیگر وجوہات ہیں اس کی خاص وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو عربی زبان کی اہمیت معلوم ہو اور اس کے تعلم کی جانب التفات ہو تاکہ وہ قرآن اور احادیث کو سمجھ سکیں ،، ادھر باپ کو یہ حکم دیا کہ اولاد کا یہ حق ہے اور یہ حق ہے وغیرہ وغیرہ ادھر بیٹے کو حکم دیا ولا تقل لهما اف و لا تنهرهما شوہر کو حکم دیا کہ بیوی کے بھی تمہارے ذمہ حقوق ہیں ان کو ادا کرو، ادھر بیوی کو حکم دیا کہ شوہر کی اطاعت کرے اور شوہر کا یہ مرتبہ ہے اور یہ مرتبہ ہے، یہ ہے سیاست دینیہ کی کچھ جھلکیاں جس میں بہت سی مصالح اور حکم و اسرار پنہاں ہیں۔

اور امر اسلام میں سے مسئلہ خلافت بھی بہت اہمیت کا حامل ہے جس پر بہت سی عبادات موقوف ہیں اور بہت سے معاملات و احکام خلافت پر موقوف ہیں، ادھر ساری امت اسلام کی مکلف ہے اور ادھر یہ بھی مسلم امر ہے کہ جس نے جماعت صحابہ و تابعین و سلف صالحین سے خروج کیا اس نے اسلام سے ہاتھ دھو لیے، تو اس سے یہ بات ثابت ہو تی ہے کہ اسلام کے لئے جماعت چاہیئے اور جماعت کے لئے امام اور مقتدا چاہیے، ورنہ وہ جماعت کوئی جماعت نہ ہو گی جس کا کوئی بڑا نہ ہو اور جس کا کوئی امام اور حاکم اور امیر نہ ہو، اور امام کے لئے ضروری ہے کہ قوم اس کی بات سنے اور اس کی اطاعت کرے اور اس کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سمجھے ،، اور یہ بھی مسلم ہے کہ

اطاعت بھی اسی وقت ممکن ہے جب کہ کوئی قطعی قانون ہوتا کہ اس کی روشنی میں اطاعت ہو سکے اور قطعی قانون وہی ہے جو منزل من اللہ ہو اور قطعی قانون جہاں پر بھی دیکھئے وہ دنیا سے شر اور فتنہ کو دور کرنے اور امن و امان کو قائم کرنے کیلئے ہے تاکہ لوگ کھل کر معبود برحق کی اطاعت کر سکیں ،، اگر آپ قانون جاری کر سکیں تو فبہا اور اگر قانون کو نافذ کرنے میں کوئی دشواری حائل ہے تو بعض صورتوں میں ہجرت کیجائے گی اور بعض صورتوں میں جہاد واجب ہوگا یعنی اگر قانون کی مخالفت کرنے والے برسر اقتدار ہیں اور طاقتور ہیں جن سے مقابلہ کی توقع نہیں تو اپنے ایمان کو بچانے کیلئے ہجرت کیجائے گی اور اگر قانون کی مخالفت تو کیجا رہی ہے مگر مخالفین اتنے طاقتور نہیں کہ جن کا مقابلہ نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں بر بنار مجبوری اللہ کا نام لے کر میدان میں نکلنا ہوگا اور راہ حق میں جو ایسے پھوڑے پیدا ہو گئے جن سے پورے راستہ کے گندے ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا ان کا آپریشن کرنا ہوگا۔ یعنی ان سے جہاد کرنا ہوگا ، جہاد شریعت کا ایسا فریضہ ہے جس کو کوئی منسوخ نہیں کر سکتا ، وہ قیامت تک کیلئے فرض ہے بہر حال مذکورہ تمام چیزیں سیاست دینیہ کی بنیادیں اور اس کے اصول کلی ہیں ۔

بہر حال محشیؒ نے اپنے متن میں خلافت کے مبانی اور اس کی غایات کو بیان کیا ہے ، یہ بات تو ظاہر ہو چکی کہ قوم کا حاکم ہونا ضروری ہے اب سوال یہ پیدا ہوا کہ امام اور بادشاہ کو کون مقرر کرے گا ؟ کیا آسمان سے امام ٹپک کر آئے گا یہ تو عادۃً ناممکن ہے ،، تو ضروری ہوا کہ موجود لوگوں میں سے کسی کا انتخاب کیا جائے اور انتخاب کون کرے گا تو انسانوں میں سے جو ارباب حل وعقد ہیں وہ انتخاب کریں گے اس پوری تقریر سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ امام کا انتخاب کرنا لوگوں پر ضروری ہے وہ اپنی استطاعت وحیثیت کے مطابق ہر زمانہ میں اس فرض کو ادا کرنے کے مکلف ہوں گے ، لہذا ہندی مسلمان بر بنار عذر امام کا انتخاب نہ کر سکیں تو یہ معذور شمار ہوں گے اور اس فریضہ کے ترک کی وجہ سے گنہگار نہ ہوں گے ،، بہر حال قوم کو جس داغ سے بچانے کے لئے کہ وہ بے سری ہے امام

کا تقرر ضروری ہے بے سری کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی امام اور امیر نہ ہو اسی کو محشیؒ فرماتے ہیں۔

وَمِنِ اقْتِضَاءِ الْخِلَافَةِ الْاِسْتِخْلَافُ وَهُوَ نَصْبُ الْاِمَامِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ حَسْبَ الْاِسْتِطَاعَةِ لِئَلَّا يَبْقَى الْقَوْمُ فَوْضٰى۔

اور خلافت کے تقاضہ میں سے خلیفہ بنانا ہے اور وہ امام کا تقرر ہے ہر حال میں استطاعت کے مطابق تاکہ قوم بے امیر کے نہ ہو جائے۔

تنبیہ۔ فوضیٰ مفاوضت سے ماخوذ ہے جس کے معنی مساوات اور برابری کے ہیں فوضیٰ ایسی قوم جو آپس میں سب برابر ہوں اور انکا کوئی رہبر اور کوئی امیر نہ ہو۔

پھر خلافت کے اس تقاضہ کو پورا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ایرے غیرے نتھو خیرے کو اٹھا کر امام بنا دیا جائے بلکہ یہ مسلمانوں پر اور تمام لوگوں پر ظلم عظیم ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ انتخاب ایسے شخص کا کیا جائے جو اپنی صلاحیت اور قابلیت کی وجہ سے اس امر خلافت کا اہل ہو۔ یعنی علم سیاست سے واقف ہو جس کے ذریعہ سلطنت کا نظام برقرار رہ سکے اور دشمنوں کی مدافعت کر سکے اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کر سکے، اور اگر بادشاہ میں یہ صفات نہ ہوں، نہ اسکے پاس علم ہے نہ قوت رائے ہے نہ معاملہ فہمی کا مادہ ہے نہ حالات کو جانچنے کی کسوٹی ہے ایسا شخص امام بننے کا اہل نہیں ہے اسی تقریر سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ امر خلافت کا مدار وراثت پر نہیں ہے بلکہ انتخاب پر ہے،، واللہ یوتی ملکہ من یشاءُ کا بھی یہی تقاضہ ہے۔

مگر یہاں یہ بات بھی ذھن نشین رہنی چاہیئے، کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نیک صالح ہے اور علم دین کا ماہر ہے مگر انتظامی صلاحیت

نہیں رکھتا اور دوسرا اگرچہ اتنا علم دین نہیں رکھتا مگر وہ انتظامی امور میں زیادہ چوکس اور حالات کے نشیب و فراز سے زیادہ واقفیت رکھنے والا ہے تو یہاں اسی شخص کو منتخب کرنا اولیٰ ہوگا جو علم کے ساتھ ساتھ اپنی انتظامی خوبیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی زیادہ خدمت کر سکے ،،، اسی کو محشی فرماتے ہیں۔

## وَانْتِخَابُ الْاَصْلَحِ بِمِعْيَارِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ۔

اور (خلافت کے مقتضیات میں سے) زیادہ صلاحیت والے کو منتخب کرنا ہے علم و حفاظت کے معیار سے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ انتخاب کا مدار لوگوں کی مصلحت پر ہے اور لوگوں کی مصلحت ایسے شخص کو مقرر کرنے میں ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ،، تو اگر کوئی شخص خود لوگوں سے درخواست کرتا ہے کہ مجھے امیر بنا دو تو پھر کیا کرنا چاہیئے ؟ ظاہر ہے کہ عموماً اس سوال میں اغراض نفس پنہاں ہیں، اور یہاں یہ شخص متہم ہے لہٰذا ایسے شخص کو جو خود حکومت کا طلبگار ہو منتخب نہیں کیا جائیگا بلکہ انتخاب کے معیار پر جو پورا اترے اسی کو منتخب کیا جائے گا ،، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ۔ کہ جو شخص ، امارت (حکومت) کا طلبگار ہوگا اور اس کا خواہشمند ہوگا یہ کام اس کے سپرد نہیں کیا جائے گا۔ البتہ، اگر وہ شخص جس نے امارت و حکومت ، یا کسی اور عہدہ کا مطالبہ کیا مگر اس کا مطالبہ اور سوال محض اللہ کی خوشنودی اور لوگوں کی خیر خواہی کے پیش نظر ہے اور لوگ بھی اس کے اخلاص سے اور صدق سے اور اس کے کمالات سے واقف ہیں تو اسکو منتخب کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اگر وہ دوسروں کے مقابلہ میں لائق ترجیح ہو تو اس کو ترجیح دیدی جائے گی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے درخواست کی تھی کہ زمین کے خزائن کا والی مجھ کو مقرر کر دیا جائے ، تو یہ سوال محض رضاء حق اور لوگوں کی خیر خواہی کی بنیاد پر تھا ، اللہ تعالیٰ نے ، علم و حفاظت ملک میں وہ کمال عطا فرمایا تھا ، جو لوگوں نے دیکھا ، اور ان کی انتظامی خوبیوں

کی وجہ سے لوگ قحط کے سالوں میں پریشانی سے محفوظ رہے۔ بہر حال اس امر کے آپ اہل بھی تھے، اور اسی طرح ارباب حل وعقد آپ کے اخلاص وصدق سے واقف بھی تھے،، اسی کو محشیؒ فرماتے ہیں۔

وَتَفْوِيضُ الْأَمْرِ إِلَى مَنْ لَا يَبْتَغِيهِ إِلَّا مَنْ يَطْلُبُه لِابْتِغَاءِ مَرْضَاةِ اللهِ وَالنَّاسُ يَعْرِفُونَ بِصِدْقِهِ وَاخْلَاصِهِ

اور خلافت کے مقتضیات میں سے ہے) امر حکومت کا ایسے شخص کے حوالہ کرنا جو اس کا طلبگار نہ ہو مگر جو شخص کہ اس کو اللہ کی خوشنودی کے لئے طلب کرے، اور لوگ اس کے صدق اور اخلاص کو جانتے ہوں۔

پھر جب اصلح کا انتخاب کر دیا گیا تو امام کو چاہیئے کہ اہل رائے اور عقلائے ملک سے امور میں مشورہ کیا کرے کیونکہ بہر حال انسان ہے خطاء وچوک کا احتمال ہے، مشورہ میں خیر ہے حق کی جستجو ہے اسلئے مجلس شوریٰ کا ہونا ضروری ہے ورنہ اگر شوریٰ نہیں بلکہ جو وہ چاہتا ہے اسی قانون کو نافذ کرتا ہے یہ من مانی ہے جسکو استبداد اور ڈکٹیٹر شپ، کہا جائے گا، جو اسلامی اصول کے منافی ہے بلکہ یہاں تو حکم ہے وامرھم شوریٰ بینھم لیکن اگر آراء میں اختلاف ہے اگر کسی جانب اتفاق نہیں ہو پاتا، تو ایسی صورت میں امام کو حق ہوگا کہ کسی ایک جانب کو دلائل کی روشنی میں ترجیح دے کر اس پر عمل کرے، کیونکہ مشورہ نہ کرنے کی صورت میں استبداد ہے جو مذموم ہے اور اگر اس کو عزیمت وترجیح کا حق حاصل نہ ہو تو پھر انتشار ہوگا اور قوم کی فوضویت برقرار رہے گی جو انتخاب امام کے منافی ہے،،

اس لئے اس کو عزیمت اور ترجیح کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔

اسی کو محشیؒ اپنے الفاظ میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَيَلْزَمُهُ الشُّورَىٰ لِدَفْعِ الِاسْتِبْدَادِ وَعَلَيْهِ الْعَزِيمَةُ وَالتَّرْجِيحُ لِدَفْعِ الِانْتِشَارِ وَالْفَوْضَوِيَّةِ۔

اور امام کو شوریٰ لازم ہے استبداد کو دور کرنے کیلئے اور امام پر عزیمت و ترجیح لازم ہے انتشار اور فوضویت کو دور کرنے کیلئے۔

تنبیہ :۔ یہاں حضرت مہتمم صاحبؒ نے جو بیان فرمایا ہے یہ تسامح ہے بلکہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ پیغمبر مشورہ طلب کرے تو فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کے مطابق عزم پیغمبر کے بعد کسی فرد امت کا مشورہ آپ کے عزم کے بعد قابل قبول نہ ہوگا۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عزم کے یہ معنی منقول ہیں مشاورۃ اهل الرأی ثم اتباعهم یعنی اہل رائے سے مشورہ کرنے کے بعد (امام و خلیفہ کا) ان کی دی ہوئی رائے پر عمل پیرا ہونے کا نام عزم ہے، اور رہا مسئلہ یہ کہ مجلس شوریٰ میں اختلاف رائے ہو جائے اور اکثریت کی بنیاد پر ترجیح دی جارہی ہو تو امر کی رائے کا کیا درجہ ہوگا تو اس مسئلہ کی وضاحت عمر فاروقؓ کے ایک بیان سے ہو جاتی ہے جس کو قاضی ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الخراج صفحہ ۲۵ پر بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب عراق و شام کی زمینوں کی تقسیم کے مسئلہ پر غور و خوض کیلئے حضرت عمر فاروقؓ نے مہاجرین و انصار کے نمائندوں پر مشتمل مجلس شوریٰ منعقد کی تو اس موقع پر ارشاد فرمایا تھا، کہ میں نے آپ حضرات کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ اس بار امانت میں شریک ہوں جو میرے اوپر ڈالا گیا ہے اور اس مجلس شوریٰ میں میری حیثیت بھی تم میں سے ایک فرد کے برابر ہے تو حضرت عمرؓ کا ارشاد انی رجل کاحدکم، شوریٰ کے موقع پر آمر کی رائے کا درجہ متعین کرنے میں نص صریح کا درجہ رکھتا ہے،، بہر حال مقصد واضح ہو گیا اس سے زیادہ تفصیل کو یہ مقام متحمل نہیں ہے استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم کی تصنیف "شوریٰ کی شرعی حیثیت" اس موضوع پر کافی مفصل کتاب ہے، مزید تفصیل کے لئے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

بہر حال جہاں خلافت کے اور تقاضے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ایک قانون قطعی کی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر امام احکام کا اجراء کر سکے اور قانون قطعی کتاب اللہ اور احادیث اور اجماع امت ہے یا مجتہدین کا قیاس کی شرطوں کے

مطابق قیاس ہے، تو قانون یہی ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ بہر حال خلافت کے مقتضیات میں سے قانون قطعی کا ہونا ضروری ہے اور انصاف کے ساتھ حکم دینا ہے، شریعت نے یہاں بھی سیاست دینیہ سے کام لیا امام کو حکم ہوا کہ احکام کے اندر عدل کو مضبوطی سے تھامے اور قوم کو حکم دیا کہ امام کی بات سنے اور اس کی اطاعت کرے خواہ وہ حکم دل کو بھائے یا نہ بھائے بہر صورت اتباع کو لازم پکڑے بشرطیکہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے ورنہ اگر اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر اطاعت جائز نہ ہوگی لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق، اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں۔

والقانون القطعی للتمسك والحکمُ بالعدلِ ولو علی انفسهم وعلی القوم السمعُ والطاعۃ علی مَنشطٍ ومَکرہ اذا لم یؤمر بمعصیة الخالقِ۔

اور (خلافت کے مقتضیات میں سے) تمسک کے لئے (اعتصام) کسی قانون قطعی کا ہونا ضروری ہے، اور حکم بالعدل ضروری ہے اگرچہ اپنے ہی خلاف پڑے اور قوم پر لازم ہے سمع وطاعت خوش دلی اور ناراضی کے باوجود جب کہ خالق کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔

تنبیہ۔ منشطٌ خوش دلی مکرہٌ ناپسندیدگی، ناراضی اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگرچہ حکم بالعدل اپنے خلاف پڑے مگر اس کو لازم پکڑا جائے، جب لوگوں نے حضرت اسامہؓ کے ذریعہ ایک عورت کے متعلق بارگاہ رسالت میں حد سرقہ کے سلسلہ میں سفارش کرائی تو آپ نے فرمایا تھا کہ اگر فاطمہؓ بنت محمد بھی چوری کرے گی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹوں گا۔

پھر جب کسی کو امام مقرر کر دیا گیا تو وہ مطمئن ہو کر نہیں بیٹھے گا بلکہ اپنے فرائض واجبی کو انجام دے گا یعنی اس پر ضروری ہوگا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر

نہ بیٹھ جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق دشمنوں کے خلاف، باطل کی قوت کے خلاف فوجی تیاری کرے جس قسم کی بھی ضرورت ہو اور سرحدوں کی حفاظت کرے تاکہ کفار حملہ آور نہ ہوسکیں دشمنوں کے خلاف تیاری کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے ارشاد ہے واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم وآخرین من دونھم" اور کفار کو دعوت حق دے اگر وہ قبول کر لیں تو فبہا ورنہ ان کو جزیہ کی دعوت دے اگر وہ جزیہ قبول کر لیں تو ٹھیک (الا ان یمنع مانع) اور اگر وہ ان دونوں میں سے کسی کو قبول نہ کریں تو اب ان پھوڑوں کا آپریشن ضروری ہے لہذا ان سے جہاد کیا جائے گا اور جہاد حسن لذاتہ نہیں ہے بلکہ اپنی اصل کے اعتبار سے تو یہ فساد ہے اور اللہ کی مخلوق کو ہلاک کرنا ہے البتہ جہاد حسن لغیرہ ہے چونکہ اس کا مقصود اعلاء کلمۃ الحق ہے اور مہلک اور مفسد مادہ کو دور کر دینا ہے تاکہ ان کا ضرر متعدی نہ ہو جائے اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں۔

**ویلزمہ الاعداد المستطاع لحفظ وسد الثغور**

**والجہاد فی سبیل اللہ لدفع الفتنۃ واعلاء کلمۃ اللہ**

اور امام پر حسب استطاعت حفاظت کی تیاری اور سرحدوں کی حفاظت کی تیاری لازم ہے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا لازم ہے فتنہ کو دور کرنے کیلئے اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے۔

**تنبیہ** - یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی بلکہ جہاد سے پہلے دعوت ضروری ہے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم سے جو قتال کیا جارہا ہے اس کا مقصد ہمارے جان و مال لینا نہیں بلکہ تبلیغ دین ہے، لہذا جہاد کے لئے پہلے دعوت کے اصول کا سیکھنا ضروری ہے لہذا معلوم ہوا کہ تبلیغی جماعت کا کارنامہ منشأ شریعت کے عین مطابق ہے اس کو خلاف شریعت کہنا خلاف اصول ہے فتدبر

اسی طرح امام پر لازم ہے کہ جو شخص ہجرت کرنا چاہے اس کے لئے اسباب

سہولت فراہم کرے خواہ ہجرت مکانی ہو یا معنوی، ہجرت مکانی تو یہ ہے کہ اگر دارالحرب میں اپنے ایمان کی حفاظت دشوار ہو تو وہاں سے دارالاسلام کیجانب ہجرت کیجائے امام اس کی سہولت کے اسباب مہیا کرے گا۔

اور ہجرت معنوی یہ ہے کہ انسان موطن طبیعت سے موطن شریعت کی جانب ہجرت کرے یعنی منہیات سے بچے اور مامورات کو لازم پکڑے یہاں بھی حسب حیثیت امام پر ضروری ہے کہ انکی سہولت پر نظر رکھے مثلاً اگر وہ علماء حق اور مفتیان کرام یا قاضی ہیں تو بیت المال سے ان کے لئے وظیفہ مقرر کر دے جیساکہ کتب فقہ میں مصرح ہے اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں

---

**والتیسیرُ للھجرۃِ لمن یھاجرُ فی سبیل اللہ مکانیۃً کانت او معنویۃً۔**

اور لازم ہے امام کے لئے ہجرت کیلئے سہولت دینا اس شخص کو جو اللہ کے راستہ میں ہجرت کرے خواہ ہجرت مکانی ہو یا زمانی ہو۔

نیز امام کا فریضہ ہے کہ لوگوں کی دیکھ بھال رکھے تاکہ وہ بیدار رہیں غافل نہ ہو جائیں اور اگر مواخذہ اور تادیب کی ضرورت پیش آئے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔

اس موقع پر سیرت مصطفوی اور سیرت حضرات شیخینؓ کا اتباع کرے کہ یہ حضرات لوگوں کی کیسی نگرانی فرماتے تھے رات میں بھی اور دن میں بھی اور اگر لوگوں سے کوئی چیز فوت ہو گئی تو اس پر مواخذہ فرماتے تھے حضرت عمر فاروقؓ جب لوگ آرام کی نیند سوتے تھے کیسے بستی میں اور جنگلوں میں رات کو گشت لگاتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ لوگ کس حال میں ہیں کچھ پریشانی تو نہیں یا اسلام کی خلاف ورزی تو نہیں ہو رہی ہے۔

خلاصۂ کلام امام پر لازم ہے کہ خود بھی چوکس اور بیدار رہے اور لوگوں کو بھی غافل نہ بنائے اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں۔

والاحتساب للایقاظ والمواخذۃ ۔

اور امام کیلئے لازم ہے لوگوں کی جانچ پڑتال بیدار کرنے کے لئے اور مواخذہ ضروری ہے ۔

تنبیہ مگر اس جانچ کا مقصد فقط اصلاح ہے نہ کہ افساد اور اللہ دلوں کے احوال کو خوب جاننے والا ہے ۔

پھر خلافت کی کچھ غرض و غایت ہے ۔ پہلی غرض خلافت کی یہ ہے کہ دین کی حفاظت کیجائے اور اس پر عمل کیا جائے جس میں نماز پڑھنا، اور زکوٰۃ دینا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی داخل ہے اسی لئے ارشاد باری ہے الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور ۔ اس آیت مقدسہ کے اندر مظلوم مسلمانوں کا ذکر ہے جن کو گھروں سے نکالا گیا (مہاجرین) یعنی خدا انکی مدد کیوں نہ کرے گا جب کہ وہ ایسی قوم ہے کہ اگر ہم اسے زمین کی سلطنت دیدیں تب بھی خدا سے غافل نہ ہوں، بذات خود بدنی و مالی نیکیوں میں لگے رہیں، اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں، چنانچہ حق تعالیٰ نے انکو زمین کی حکومت عطا کی اور جو پیشین گوئی کی گئی تھی حرف بحرف سچی ہوئی جہاں اس آیت سے صحابہ کرامؓ خصوصاً مہاجرین اور ان میں سے اخص خصوص کے طور پر حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی حقانیت اور مقبولیت و منقبت ثابت ہوتی ہے وہیں اس آیت سے خلافت کی غایات بھی معلوم ہوتی ہے کہ غرض اصلی خلافت سے اقامت دین ہے اور احکام خداوندی کا اجراء ہے جب بات یوں ہے جیسے ذکر کی گئی ۔ لہذا امام پر ضروری ہوگا کہ وہ خلافت کی غایت کو پورا کرنے کیلئے فرائض و واجبات کی اور سنن و آداب کی رعایت کو خود بھی ملحوظ رکھے اور دوسروں کو اس کا پابند بنائے خواہ یہ امور عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے یا معاشرات سے غرض جملہ امور میں قوانین شرعیہ کی رعایت رہنی چاہیئے، اور امت کا فریضہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی رہے

اور اس کے لئے ضرورت تھی قوت کے مستحکم ہونے کی لہذا اب خلافت کے قیام سے قوت مستحکم ہو گئی لہذا اس فریضہ کو پورا کرنا ضروری ہے اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں۔

وَغَايَتُهَا إِقَامَةُ الدِّيْنِ وَحِفْظُ الْحُدُوْدِ فِي الْعِبَادَاتِ وَالْمُعَامَلَاتِ وَالْمُعَاشَرَاتِ وَنَظْمُ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

اور خلافت کی غرض دین کو قائم کرنا ہے اور حدود دین کی حفاظت ہے عبادات اور معاملات اور معاشرات میں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظم کرنا ہے۔
نیز اس کی غایات میں سے یہ بھی ہے کہ حدود کو جاری کیا جائے خواہ حد سرقہ ہو یا حد شرب خمر ہو یا حد زنا اور حد قتل ہو یا حد قذف ہو بہر حال جس قسم کی سزا جس معاملہ میں شریعت نے مقرر کر رکھی ہے مجرم کو وہ سزا دینا اور اگر کسی جرم کے مرتکب کیلئے سزا مقرر نہ ہو بلکہ حاکم کی رائے اور صوابدید پر اس کو شریعت نے چھوڑ دیا ہو تو وہاں بھی تعزیر ضروری ہے، اگر حدود و قصاص اور تعزیرات کو قائم کرنا چھوڑ دیا جائے گا تو احکام خداوندی کی خلاف ورزی ہوگی اور عالم کا امن درہم برہم ہو جائے گا نظام عالم کو اور اس کے امن کو اعتدال پر رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مجرم پر وہ سزا نافذ کر دی جائے جو اس کے لئے مقرر ہے، اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں۔

وَإِقَامَةُ الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ وَالتَّعْزِيْرَاتِ لِإِزَالَةِ الْمُنْكَرَاتِ

اور خلافت کی غایت، حدود کو قائم کرنا ہے اور قصاص کو اور تعزیرات کو منکرات (برائیوں) کو زائل کرنے کے لیے۔
مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ لوگوں پر بے جا سختی کیجائے ہرگز نہیں بلکہ حدود کے نفاذ میں تو کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کئے بغیر حد کو نافذ

کردیا جائے گا، اور جہاں حدود کا مسئلہ نہ ہو تو لوگوں کے ساتھ نرمی اور تسکین کا برتاؤ کرنا چاہیے اور انکو کچھ شبہات ہوں تو ان کے شبہات کو نرمی سے دور کردینا چاہیے اس طرز سے نیکیوں کو زیادہ پھیلایا جاسکتا ہے لہذا اخلاقِ حسنہ سے انحراف نہ کرے ورنہ اشاعتِ دین اور معروفات کی ترویج میں خلل واقع ہوگا اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں -

## وَالرِّفْقُ وَالتَّطْيِيْبُ لِتَرْوِيْجِ الْمَعْرُوْفَاتِ -

اور (خلافت کی غایات میں سے) (لوگوں کے ساتھ) نرمی کرنا اور مطمئن کرنا ہے بھلائیوں کے رواج دینے کے لیئے۔

تطییب کے مختلف معنیٰ آتے ہیں خوشبو لگانا، اچھا کرنا، طَیَّبَ خَاطِرَہٗ مطمئن کرنا، تسکین دینا یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں۔

تنبیہ :- یعنی نہ بیجا نرمی ہو کہ لوگ حلوہ سمجھ کر کھاجائیں اور نہ شدت بیجا ہو کہ لوگ ایلوا سمجھ کر متنفر ہوجائیں اور رفق و شدت کا علیٰ وجہ الاتم جمع ہونا یہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مقام ہے اور آپ کے اتباع کی وجہ سے اگر یہ مناظر دیکھنے ہوں تو خلفاء راشدین خصوصًا حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے اندر ملیں گے کہ نرمی کے مقام پر علیٰ وجہ الاتم نرمی ہے اور شدت کے مقام پر علیٰ وجہ الاتم شدت ہے۔

ان مناظر پر سیر شیخین رضی اللہ عنہما اوراق کتب تاریخ میں منتشر ہے جو ناظرین پر مخفی نہیں ہے -

پھر خلافت کی غایات میں سے یہ بھی ہے کہ تعلیم کا بندوبست کیا جائے کیونکہ علم دین کا سیکھنا فرض ہے ضروریاتِ دین کا علم ہر فرد مسلم کے اوپر فرض عین ہے البتہ تعلیم کی اس طرح تکمیل کہ مسائل پر مع دلائل و حقائق کے مطلع ہوجائے یہ فرض کفایہ ہے اور ضروریاتِ دین میں اکراہ بھی کیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ ارشاد نبوی ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز کا حکم کردو اور جب دس سال کا ہوجائے تو نماز نہ پڑھنے پر اس کو مارو،، اسی طرح ضروریاتِ دین کا علم سیکھنا فرض عین ہے

یہاں بھی اکراہ کیا جائے گا تاکہ کوئی بھی مسلمان ضروریات دین سے جاہل نہ رہے امام کا فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے تعلیم کا نظم ونسق کرے اور لوگوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دے اور تنبیہ کی ضرورت پیش آئے تو اس سے دریغ نہ کرے اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں ۔

## وَالتَّعْمِيمُ لِلتَّعْلِيمِ وَالْإِكْرَاهُ فِي ضَرُورِيَاتِ الدِّينِ

اور (اس کی غایات میں سے) تعلیم کو عام کردینا ہے اور ضروریات دین میں اکراہ کرنا ہے ۔

پھر امام کا فریضہ ہے کہ وہ تبلیغ کا دائرہ وسیع کرے مگر تدریجی طریقہ وہ اختیار کرے جو طریقۂ نبوی کے مطابق ہو یعنی اوّلاً اپنی اصلاح کی فکر ہو یہ تبلیغ کا پہلا درجہ ہے پھر اپنے اہل وعیال سے تبلیغ شروع کرے یہ دوسرا درجہ ہے پھر اپنے خاندان کو تبلیغ کرے یہ تیسرا درجہ ہے پھر اپنے شہر والوں کو تبلیغ کرے یہ چوتھا درجہ ہے اور پھر شہر کے آس پاس والوں کو تبلیغ کرے یہ پانچواں درجہ ہے پھر پورے عالم کو تبلیغ کرے یہ آخری درجہ ہے تبلیغ میں یہی ترتیب طبعی کا تقاضہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انداز تبلیغ میں اسی طریقہ کو اختیار فرمایا ہے اب لف ونشر مرتب کے طریقہ پر انکی دلیل ملاحظہ فرمائیں ۔

ارشاد باری ہے قُوْا أَنْفُسَكُمْ، پھر فرمایا، وَأَهْلِيكُمْ نَارًا، نیز ارشاد باری ہے وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ، نیز ارشاد ہے لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا، نیز ارشاد باری ہے لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ،، اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں ۔

## وَالتَّوْسِيعُ فِي التَّبْلِيغِ عَلَى التَّدْرِيجِ حَسْبَ دَرَجَاتِهِ

اور تبلیغ کو وسعت دینا ہے تدریجی طور پر اسکے درجات کے اعتبار سے ۔

نیز خلافت کی غایات میں سے یہ بھی ہے کہ امام ایسا نظم قائم کرے جس سے

لوگ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں، جب لوگ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں گے تو آپس کی پھوٹ اور انتشار و اختلاف خود بخود ختم ہو جائے گا۔ فرمان باری ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا، اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑ لو اور پھوٹ نہ ڈالو یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو خدا کی مضبوط رسی ہے یہ رسی ٹوٹ تو نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے، اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے، کوئی شیطان شر انگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہو جائے گی، قرآن کریم سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے لیکن تمسک بالقرآن کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کو اپنی آراء و اہواء کا تختہ مشق بنا لیا جائے، بلکہ قرآن کریم کا مطلب وہی معتبر ہوگا جو احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف نہ ہو، جیسا کہ عقیدۃ الطحاوی میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خلاصۂ کلام قوم مسلم کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کیلئے اعتصام بحبل اللہ سے جامع اور مضبوط کوئی طریقہ نہیں آج کل بہت سی تنظیمات کی تشکیل ہوتی رہتی ہے مگر اس سے کوئی معتد بہ نتیجہ نہیں نکلتا بجائے تعمیر کے تخریبی پہلو عموماً سامنے آتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں۔

---

وَالتَّنْظِيمُ بِالْاِعْتِصَامِ بِحَبْلِ اللّٰهِ لِدَفْعِ الْفُرْقَةِ وَتَوْحِيدِ الْأُمَّةِ

اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھامنے کی تنظیم اختلاف کو دور کرنے اور امت کو متحد کرنے کیلئے (یہی خلافت کی غایت ہے)

شریعت اور طریقت دونوں ایک ہیں ایسا نہیں جیسا کہ بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور ہے بلکہ شریعت ظاہر و باطن کے تزکیہ کا نام ہے اس میں سے قسم ثانی یعنی تزکیہ باطن کو طریقت کہتے ہیں اور

اسی کو تصوف اور فن احسان کہتے ہیں اور چونکہ بعثت انبیاء کا مقصد دونوں درجوں کی تکمیل ہے ظاہر کی بھی اور باطن کی بھی اور خلافت کا مقصد انبیاء کی راہ مستقیم پر گامزن ہونا اور اس راستہ پر لوگوں کو چلانا ہے تو تزکیۂ باطن بھی خلافت کی غایات میں سے ہوا، اسی کی جانب مشیر ہے فرمانِ رسالت بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (الحدیث) اور فرمان رسالت تخلقوا باخلاق اللہ (الحدیث) اور فرمانِ باری وذروا ظاھر الاثم وباطنہ (الآیہ) یہی تزکیہ باطن ہے اور یہی تصوف واحسان ہے اور یہی اخلاق اللہ ہیں لہذا اب یوں کہنا درست ہوگیا کہ امام کا فریضہ ہے کہ وہ اخلاق اللہ پر لوگوں کی تربیت کرے اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں۔

---

وتربیۃ خَلْقِ اللہِ علیٰ اخلاقِ اللہ۔

اور (خلافت کی غایات میں سے ہے) اللہ کی مخلوق کی تربیت کرنا ہے اللہ کے اخلاق پر۔

جب ماقبل میں یہ کہا گیا کہ امام کا فریضہ ہے کہ لوگوں کی تربیت اللہ کے اخلاق پر کرے تو اس پر سوال پیدا ہوگا کہ اخلاق اللہ کیا ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق اللہ کا خلاصہ پانچ چیزوں میں بیان فرمایا ہے (۱) جماعت، یعنی جماعت کو لازم پکڑنا (۲) امام کی بات کو سننا (۳) امام کی اطاعت کرنا (۴) ضرورت پیش آئے تو ہجرت کرنا (۵) اصول وشرائط کے ساتھ جہاد کرنا،،، یہ امور خمسہ اخلاق اللہ ہیں اور یہی امور خمسہ سیاست دینیہ کی بنیادیں ہیں جس کی قدرے تفصیل اس متن کے آغاز میں بیان کیجا چکی ہے اسی کو حضرت محشیؒ فرماتے ہیں۔

---

ولخصہا النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم فی خمس

---

وھی مبانی اصول السیاسۃ الدینیۃ، الجماعۃ

والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجھاد۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اخلاق اللہ کا خلاصہ پانچ چیزوں میں ارشاد فرمایا ہے اور یہی پانچ چیزیں سیاست دینیہ کی بنیاد ہیں۔ جماعت (۱) اور سمع (۲) اور اطاعت (۳) اور ہجرت (۴) اور جہاد (۵)۔

یہاں تک حضرت مہتمم صاحب کا تکملہ بھی پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا۔

وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

محمد یوسف غفرلہٗ التاؤلوی

خادم التدریس دارالعلوم دیوبند

۲۸ / ۶ / ۱۴۰۹ ھ

# تدوینِ حدیث عکسی

از:- حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

ابتدائے اسلام سے آج تک دینِ اسلام پر خارجی اور داخلی حملے اس قدر مسلسل اور پیہم ہوئے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ خود اس کے محافظ نہ ہوتے تو اس کی بقا دو ایک صدی بھی مشکل ہی تھا۔ یہ تاریخی حقیقت اس بات کا پورا یقین دلا رہی ہے کہ قیامت تک اسلام کی شمع فروزاں ہی رہے گی۔ خواہ آندھیوں کی تندی و تیزی کسی درجہ کو پہنچ جائے۔ مگر مبارک ہے وہ زبان وقلم اور دست و بازو جو وقتی فتنوں کو سرنگوں کرنے کیلئے بے باکانہ مستعد ہو جائے ــــــ ہر دور میں خلافِ اسلام مہموں کی نوعیت جداگانہ رہی ہے اور اسی نوعیت کے اعتبار سے مجاہدینِ اسلام نے سیف و قلم سے یہ معرکے سر کئے ہیں۔ دورِ حاضر کے داخلی فتنوں میں ایک بڑا فتنہ انکارِ حدیث حدیث کا ہے جو دراصل پھیلایا تو گیا مستشرقین مغرب کے ہاتھوں مگر اب خود بعض مسلمانوں کا زورِ قلم اُس کی اشاعت میں لگا ہوا ہے۔ اور غور سے دیکھئے تو یہ اس قدر خطرناک اقدام ہے کہ اس سے اسلام کی بنیاد پر ضرب کاری لگتی ہے، جب قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ رسول ؐ جو قرآن پاک کی مستند اور معتبر تشریح کا دوسرا نام ہے، معیارِ حجت سے خارج کر دیا جائے تو قرآن پاک کی نہ تو کوئی ایک تشریح و توضیح رہ سکتی ہے نہ کسی ایک مفہوم پر ملت کے جمع ہونیکا تصور باقی رہ سکتا ہے۔

# اشرف النوری شرح اردو قدوری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احکام کی دو قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثلاً صحابہؓ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے، صحابہ آپ کو دیکھکر اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نماز کا بھی یہی حال تھا۔ اور جو واقعات پیش آتے تھے انہیں لوگ آنحضرتؐ سے استفتار کرتے تھے اور آنحضرتؐ جواب فرماتے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد فتوحات میں نہایت وسعت ہوئی اور انکا دائرہ نہایت وسیع ہوتا گیا اور واقعات بکثرت پیش آتے رہے۔ پس پیش آئے ہوئے واقعات میں اجتہاد واستنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کردیا اب یہ بحث پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں اور اس بحث کے شروع ہونیکے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال ہیں سب کو فرض کہدیا جاتا۔ صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض اور واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب۔ اس تفریق کیلئے جو اصول قرار دیئے جاسکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی رائیوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا اسلئے مسائل میں اختلاف پیدا ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائے قائم